کیا جدید سائنس پر تنقید کا مطلب اونٹ کی پیٹھ پر قیام ہے؟

قرآن بہت سے معاملات میں متبادل کے طور پر ''صبر'' کی ہدایت کرتا ہے

جدید سائنس اوراس کے مظاہر مثلاً موبائل فون، صنعتی ترقی، کمپیوٹر، گاڑیاں وغیرہ پر جب بھی کوئی تنقید ہوتی ہے تو سب سے پہلا اعتراض یہ سامنے آتا ہے کہ اچھا آپ تہذیب وتمدن کی ترقی کے قائل نہیں تاریخ کے پہیے کو الٹا گھما کر پیچھے لے جانا چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ہم کار سے اتر کر اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھ جائیں سائنس کے خلاف دلائل سنتے ہی یوسف قرضاوی، ڈاکٹر منظور احمد، وحید الدین خان اور جاوید غامدی جیسے دانشور اور بڑے بڑے انقلابیوں کو اونٹ، خچر، ہاتھی، گھوڑے اور گدھے کی پیٹھ نظر آنے لگتی ہے اور وہ چشم تصور میں ایئر کنڈیشنڈ کار سے نکل کر اپنے آپ کو اونٹ کی پیٹھ پر مقیم پاتے ہیں اس تصور سے انھیں وحشت ہونے لگتی ہے سوال یہ ہے کہ معترضین کے اس منہاج، اصول، اور مابعد الطبیعیات کا رخ کیا ہے؟ سوال کی ماہیت سے صاف ظاہر ہے کہ تمام معترضین جدید سائنس اوراس کے مظاہر کو عین مطلوب ومقصود شریعت سمجھ کر عین شریعت کے تحت زندگی بسر کر رہے ہیں اوراس شرعی زندگی میں سائنس کا ناقد خلل پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ان بے چاروں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ جدید سائنس نفس امارہ کے اتباع کو ہر طریقے سے ممکن بنانے کے راستے سہولتیں طریقے اور سلیقے سکھاتی ہے یہ پرستش نفس کا تیز رفتار طریقہ بتاتی ہے یہ نفس لوامہ کو اپنے وجود میں گم کر کے مٹا دیتی ہے یہ عوام وخواص کو معصیت پر نہ صرف راغب کرتی ہے بلکہ ایسی عملی عقلیت [Practical Rationality] مہیا کرتی ہے کہ ہر نفس اس کی قربت میں لذت اور راحت محسوس کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جدید سائنس پر اعتراض کو فوری رد کرنے اور سائنس کے بغیر پتھروں کے زمانے کا تصور پیش کرنے والے ذہن کی ایمانیات اور الٰہیات کیا ہیں؟ کیا جدید سائنس اوراس کے آثار ومظاہر پر تنقید نہ سننا ایمانیات کا مسئلہ ہے کیا قرآن کی کسی نص سے یا سنت رسول سے ثابت ہے کہ جدید سائنس پر اعتراض نہ سنو اور پتھروں کے زمانے کی طرف رجعت کا تصور کبھی ذہن میں نہ لاؤ کہ زمانہ ہمیشہ آگے بڑھتا ہے کیا اجماع امت نے یا کسی فقہ کے فقیہہ نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے یا یہ اصول طے کر دیا ہے کہ تہذیب وتمدن کے ارتقاء کے نتیجے میں ملنے والی سہولتیں، عیش وعشرت، ایجادات ایمانیات کا لازمہ بن جاتی ہے اور ان پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا کیا قرآن سنت اجماع قیاس کے کسی اصول سے جدید سائنس پر اعتراض کو فی الفور بلاتردد رد کرنے کا حکم اخذ کیا جا سکتا ہے ظاہر ہے کہ نہیں اور بالکل۔ نہیں شریعت کو اس امر سے کوئی دلچسپی نہیں کہ آپ کار میں سفر کرتے ہیں یا اونٹ پر یا پیدل وہ تو صرف اس سے بحث کرتی ہے کہ ذریعہ [Medium] یا آلہ [Instrument] مقاصد شریعہ یعنی دین عقل نفس، مال اور نسل کے حصول میں معاون ہے یا مزاحم اگر مزاحم ہے تو اسے ترک کر دیا جائے۔ لیکن سائنس پر اعتراض اٹھانے والوں کے ناقدین خواہ راسخ العقیدہ ہوں جدیدیت پسند مسلم ہوں یا ہمارے انقلابی وہ مقاصد شریعہ کے اصول اور منہاج پر اعتراض کو جانچنے کے بجائے سائنس پر اعتراض نہ کرنے کو اپنی ایمانیات اور اعتقادات کا لازمہ جانتے ہیں۔ یہ تبدیلی عصر حاضر کے انسان میں یقیناً پیدا ہوئی ہے یہ مابعد الطبیعیاتی تبدیلی ہے اوراس کے خوفناک نتائج چند برسوں میں ظاہر ہو جائیں گے اگر علماء، مذہبی مفکرین صوفیاء اور اسلامی انقلابی احیائی جہادی تحریکوں نے اس بنیادی ذہنی تبدیلی کو روکنے بدلنے کی کوشش نہ کی۔ اب اس پر غور کیجیے کہ سائنس پر تنقید کرنے والوں کی تنقید کے جواب میں معترضین کی

دلیل کا رخ کیا ہے؟ دلیل کا رخ مکمل مادی افادی امریکی مفاد پرستی کے طریقے اور خواہش نفس کے منہاج [Paradigm of self, Utilitarianisms & American Pragmatism] پر قائم ہے۔ دلیل صاف لفظوں میں خواہش نفس [self desire] کو خیر [Good] پر فوقیت دے رہی ہے اعتراض اٹھانے والوں نے اصول کو نظر انداز کر دیا ان کا اعتراض کسی اصول کی بنیاد پر نہیں اس فائدے کی بنیاد پر استوار ہے جو انھیں جاتا ہوتا نظر آ رہا ہے گویا زندگی کے فیصلے کسی مابعد الطبیعیات کسی تصور خیر و شر سے متعین نہیں ہوں گے بلکہ فیصلے کا انحصار محض فوائد پر ہوگا۔ عصر حاضر کے ہر انسان کی ذہنی جہت کم وبیش یہی ہے اس بدترین صورت حال کو ہم فلسفے کی زبان میں Deontological position کہتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ Deontological ہونے والے نے فی الحقیقت ایک مابعد اطبیعیات کو ترک کر کے نادانستہ یا دانستہ طور پر دوسری مابعد الطبیعیات [Metaphysic] اختیار کر لی ہے۔ وہ Ontological ہو گیا ہے اس نے مغرب کی مابعد الطبیعیات کو اختیار کر لیا ہے جو افادہ، لذت پرستی، فوری فائدہ خیر اور نفس پرستی پر مبنی ہے لہٰذا مغربی مابعد الطبیعیات کے دائرے میں اسے جدید سائنس پر اعتراض غیر عقلی اور جدید سائنس کی حمایت عقلی لگ رہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جدید مغربی تہذیب نے عصرِ حاضر کے ذہن کو خالص کافرانہ ذہن بنا دیا ہے جسے ہم آسان لفظوں میں سائنسی ذہن کہتے ہیں جو کسی شئے کے علم ہونے کے لئے اس شے میں شک اور تردید کے امکان کو تسلیم کرتا ہے جس شئے کی تردید یا تکذیب نہ کی جا سکے وہ علم نہیں ہے وہ ایمان ہے اور ایمان دائرہ علم سے خارج ہے لہٰذا ایمان کو علم کے دائرے سے نکال دیا گیا یہ عہد جدید کا کافرانہ دعویٰ ہے اس دعوے کے نتیجے میں اور جدید سائنس وٹکنالوجی کے ذریعے وہ ذہن تعمیر و تشکیل پایا ہے جو سراسر مادہ پرست [materialist] افادیت پسند ہے یہ ذہن حسیت پرستی اور افادہ پرستی کا مجموعہ ہے اسے محسوس یعنی اس قسم کی فکر کی عادت ہو گئی ہے جس کا تعلق اشیاء اور حوادث کی دنیا سے ہے [ص ۱۲ تشکیل جدید، ترجمہ نذیر نیازی ۱۹۸۳] اس ذہن کو بدلنے کے بجائے عصر حاضر کے جدید مسلم متکلمین نے دین کو اس ذہن کے مطابق تبدیل کرنے کا کام شروع کیا عالم عرب میں عبدہٗ اور افغانی ہند میں سرسید اور اقبال نے یہ کام کیا اقبال لکھتے ہیں کہ ہمیں تشکیل نو کے کام کے لئے کسی ایسے منہاج کی ضرورت ہو گی جو نفسیاتی اعتبار سے اس ذہن کے قریب تر ہو جو گویا محسوس کا خوگر ہو چکا ہے تاکہ اسے بہ آسانی قبول کر سکے [ص ۴۰ تشکیل جدید محولہ بالا]۔ عصرِ حاضر کے ذہن کو انبیاء کے طریقہ کار کے مطابق بدلنے، اسے دینی بنانے، اس کی مابعد الطبیعیاتی سطح کو تبدیل کرنے اس کے علم کو ایمان کی روشنی دینے کے بجائے ہمارے جدید متکلمین نے اس ذہن کے کفر کے مطابق اسلام کو ڈھالنے کا کام کیا جس کے نتیجے میں دین مسخ ہو گیا اور عصر حاضر کا ذہن جہاں تھا وہیں رہا لیکن دین کا حلیہ بدل گیا لہٰذا آج آپ کسی شخص کے سامنے سائنس پر اعتراض کیجیے وہ فوراً آپ پر اعتراض کر دے گا وجہ یہ ہے کہ عہد حاضر کا ذہن مابعد الطبیعیاتی سطح پر تبدیل ہو گیا ہے لہٰذا انبیاء کے طریقے کے مطابق اس ذہن کو تبدیل کئے بغیر اسلام اس کے دل کی دھڑکن نہیں بن سکتا۔ جدید مفکرین اور بعض جدیدیت پسند علماء یہ سمجھتے ہیں کہ مغرب کے لوگ اسلام کی عقلی، سائنسی، منطقی توجیہہ میسر نہ ہونے کے باعث دین کے دائرے میں داخل ہونے سے ہچکچا رہے ہیں جیسے ہی انہیں اسلام کی کلامی عقلی سائنسی یا منطقی دلیل مل جائے گی اسی لمحے پورا مغرب اسلام لے آئے گا یعنی مغرب کے ایمان لانے میں صرف ایک آنچ کی کسر رہ گئی ہے کھیتی تیار ہے صرف عقلی دلیل کے ابر باراں کی ضرورت ہے جیسے ہی یہ برسے گا ہر طرف ایمان و یقین کی فصل لہلہا اٹھے گی۔ یہ تصور ایک مفروضہ ہے اگر عقلی دلائل کی بنیاد پر تبدیلی آتی تو آج کا انسان بے شمار غلط کام ترک کر دیتا لیکن یہی انسان سگریٹ پیتا ہے جبکہ اس پر لکھا ہوا ہے کہ اس سے کینسر ہو جاتا ہے یہ بھی ایک مفروضہ ہے کہ سائنس دلیل حسی ذہن کو یعنی محسوس کے خوگر کو یقیناً متاثر کر سکتی ہے وہ نسل جو حواس خمسہ اور عین الیقین پر ایمان رکھتی ہے اس کے سامنے ایمانیات کے معاملات سائنسی طور پر پیش کئے جائیں تو دین کی قبولیت میں آسانی ہو گی انبیاء کو بھی یہی صورت حال پیش آئی کفار نے یہی مطالبہ رکھا کہ اگر آپ خدا کے نبی ہیں تو اس کی حسی مشاہدات کی دلیل پیش کیجئے ہم ایمان لائیں گے وہ اپنے انبیاء کے علم کا مجسم مادی مظہر طلب کر رہے تھے تاکہ ایمان لے آئیں لیکن جیسے ہی ان کے محسوسات و مشاہدات کی دنیا نے جیتی جاگتی آنکھوں سے معجزے کو دیکھ لیا انھوں

نے ایمان لانے سے انکار کر دیا اصل مسئلہ یہ تھا کہ وہ ذہنی طور پر آمادہ ہی نہ تھے معجزہ بہانہ تھا انہیں امید تھی کہ نہ معجزہ آئے گا نہ ہمارے خلاف حجت بنے گا۔ ہمارے مصلحت کوش مفکرین اور متکلمین جدید ذہن کو بدلے بغیر اسے دین کا پیغام پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں وہ انبیاء کے طریقے کو مشکل سمجھتے ہیں بلکہ محال۔ لہٰذا وہ انبیاء کے راستے کو ترک کر کے جدیدیت کے راستے کو خیرِ کُل سمجھتے ہیں اس خیر سے صرف شر بر آمد ہو سکتا ہے دینی مزاج اور دینی انسان نہیں نکل سکتا۔ انبیاء سب سے پہلے قلب اور ذہن کو بدلتے ہیں جس کے نتیجے میں انسان کی پوری زندگی، معاشرت اور سیاست و ریاست تک بدل جاتی ہے۔

جدید سائنس کے ناقدوں پر سائنس کے حامیوں کا ایک چبھتا ہوا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ جدید سائنس سے استفادہ بھی اور اس کے خلاف نقد بھی اور اسی سائنس کے ایجاد کردہ آلات سے۔ یہ اعتراض بھی اپنی نہاد میں احمقانہ اور ریت میں سر چھپانے کی کوشش ہے۔ انبیاء کرام جس معاشرے میں مبعوث ہوتے ہیں تو اسی معاشرے کے اندر رہتے ہوئے دین کا کام کرتے ہیں۔ وہ صحرائے سینا میں جا کر نہیں کھڑے ہوتے کہ ہم جس نظام تہذیب تمدن پر تنقید کر رہے ہیں اس سے فائدہ کیوں اٹھائیں ورنہ اس پر اعتراض کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ وہ اسی تہذیب، تمدن، دنیا کے اندر رہ کر اس تہذیب و تمدن کو سوالیہ نشان بنا دیتے ہیں اور جس تہذیب، و تمدن میں پیدا ہوئے تھے اسی کو اپنی روشنی سے تہس نہس کر دیتے ہیں وہ اسی زمان و مکان کے اندر ہوتے ہیں لیکن پیام توحید کے باعث اس زماں و مکاں سے نہ صرف ماوراء ہو جاتے ہیں بلکہ اپنی امت کو بھی فکری طور پر زماں و مکاں سے بلند کر کے توحید کے آفاقی پیغام کا حامل بنا دیتے ہیں۔ فرعون کے دربار میں جس چکی سے آٹا آتا تھا حضرت موسیٰؑ بھی اسی چکی کا آٹا کھاتے تھے انھوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ وہ کوہ طور کے ارد گرد گندم اگا کر اس کی بالیاں اپنے ہاتھ سے پیس کر خود آٹا گوندھ کر اپنی الگ روٹی استعمال کریں گے۔ ان جاہلوں نے کبھی قرآن نہیں پڑھا ورنہ یہ اعتراض نہ کرتے حضرت موسیٰؑ کی تو پرورش فرعون کے محل میں ہوئی ہے اور حضرت یوسفؑ کی پرورش عزیز مصر کے محل میں۔ ایک کو جلا وطنی کی زندگی بسر کرنا پڑی دوسرے پیغمبر نے قید کی زندگی گزاری۔ اب اعتراض اٹھا دیجیے کہ انھوں نے اس تہذیب و تمدن کے محلات میں موجود سائنس و ٹکنالوجی سے استفادہ کیوں کیا پھر اس کے خلاف کیوں کھڑے ہو گئے کسی خاص تاریخ زمان، مکان، تہذیب و تمدن میں کسی کی پیدائش، پیدا ہونے والے کے اختیار میں نہیں یہ اذن ربی ہے لیکن اس تہذیب و تمدن کے کفر، طغیان، ارتداد سے انکار ہر ایک کے اختیار میں ہے اور اس خدا دشمن تہذیب سائنس، تمدن کو مٹا دینا ایمان کا تقاضہ ہے۔ ہم اس تہذیب کے مظاہر سے حدود شریعت کے اندر استفادہ کرنے کے باوجود اس کو تہس نہس کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ جدیدیت کے مداحین اصلاً خدا اور قرآن پر اس قدر یقین نہیں رکھتے جس قدر جدید سائنس اس کی آسائشوں اور تعیّشات پر لہٰذا وہ سائنس پر کوئی سوال سننے سے پہلے ہی فضول سوالات شروع کر دیتے ہیں۔ سائنس ان کی ایمانیات کا جزو ہے۔ ان جدیدیت پسند اور انقلابیوں کی حالت یہ ہے کہ یہ خدا پر، رسالت محمدیؐ پر، قرآن پر، سنت پر حدود پر اعتراضات نہایت خندہ پیشانی سے سنتے ہیں۔ مکالمہ بین المذاہب کے نام پر اسلام کی مابعد الطبیعیات کو تبدیل کرنے کے مباحث میں بخوشی شرکت کرتے ہیں لیکن سائنس پر کوئی اعتراض ہو تو ان کے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے گویا سائنس خدا پیغمبر الکتاب سنت سے بڑھ کر کوئی شے ہے جس پر اعتراض سننے کا یارا نہیں ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ ان کو اپنی پر تعیش زندگی عزیز ہے اس زندگی کو جس سوال سے خطرہ درپیش ہو یہ اس سوال کو سننے کے بھی روادار نہیں یہ جہالت ہے جسے یہ علمیت سمجھتے ہیں۔ جدید انقلابی تحریکیں بھی سائنس پر اعتراضات کو سنتے ہی مشتعل ہو جاتی ہیں صرف اس لیے کہ ان کی تنظیم کا تمام تانا بانا پمفلٹ، کتاب، پوسٹر، جلسے، لاؤڈ اسپیکر، ملٹی میڈیا، تصویر سے تیار کیا گیا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان اشیاء کے بغیر ان کی تحریک تنظیم گروہ ایک دن بھی نہیں چل سکتا کیونکہ یہ سائنس کے مصنوعی تنفس سے اپنی شمع روشن رکھے ہوئے ہیں، ان جہلاء کو یہ تک معلوم نہیں کہ اسلام کی پندرہ سو سالہ تاریخ میں نہ پریس تھا نہ پمفلٹ، نہ ملٹی میڈیا نہ فوٹو اسٹیٹ مشین لیکن اس کے باوجود اسلام پانچ براعظموں تک پھیل گیا۔ تبلیغی جماعت دنیا کے ہر براعظم میں موجود ہے۔ بدھ مت ہندوستان سے اٹھ کر تین براعظموں تک چلا گیا، عیسائیت مشرق سے مغرب تک پھیل گئی کیا یہ تمام کام کتابوں، کیسٹوں سے ہوا۔ اگر

تمام اخبارات، مطابع، برقیاتی ذرائع ابلاغیات[Electronic Media] کمپیوٹر ختم ہو جائیں تب بھی اسلامی تہذیب و تمدن کے نشو و نما اور فروغ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا کیونکہ ہماری تہذیب، ہمارا دین، ہماری علمیت ہماری تاریخ تیرہ سو برس تک ان ذرائع اور وسائل کے بغیر دنیا کے تمام براعظموں تک فطری طور پر پہنچتے رہے ہماری مابعد الطبیعیات نے ذہن انسانی کو تسخیر کیا اور کوئی مذہب فلسفہ گزشتہ پندرہ سو برس میں دین اسلام کے سامنے کھڑا نہیں ہو سکا اگر یہ تمام ذرائع ختم ہو جائیں تو اس کا نقصان مغربی تہذیب اور سرمایہ دارانہ نظام کو پہنچے گا ان کی مصنوعات کی فروخت ختم ہو جائے گی لیکن اسلامی تہذیب و تاریخ ان اسباب کے بغیر بھی زندہ رہے گی کیونکہ اس کا تسلط اور غلبہ ایجادات کے ذریعے نہیں علمیت اور عمل کے ذریعے ہوا ہے بلکہ تاریخی طور پر جب سے اس امت نے مغرب کی ایجادات اور جدید وسائل پر مکمل انحصار کیا ہے اس کا زوال روز افزوں ہے اس کے انحطاط میں شدت پیدا ہوئی ہے۔ ہمارے جدیدیت پسند مفکرین، دوسرے لفظوں میں ہمارے جدید جہلا۔ نہ تاریخ عالم سے واقف ہیں نہ اسلامی تاریخ سے پریس کے بغیر عالم اسلام سو فیصد خواندہ[Litrate] تھا آج صرف تیس فیصد خواندگی ہے پہلے پریس کے بغیر ہر گھر میں قلمی نسخوں والا قرآن پڑھا جاتا تھا آج تمام وسائل میسر ہیں ہر گھر میں کئی کئی قرآن ہیں لیکن قرآن پڑھنے والا کوئی نہیں ہے کسی گھر سے فجر کے بعد عشاء کے بعد اور جمعہ کے دن بھی تلاوت کی آواز نہیں آتی آخر سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ دینی رویے دینی مزاج دینی ماحول میں مسلسل انحطاط زوال کیوں آ رہا ہے۔ ظاہر ہے اس زوال کا براہِ راست تعلق ہمارے اس نئے ایمان اور نئے خدا سے ہے جسے ہم جدید سائنس کہتے ہیں۔ اس پر ایمان کا یہ عالم ہے کہ جدید سائنس کے بارے میں ہم کوئی بات بھی سننا نہیں چاہتے اس مرعوبیت اور مغلوبیت کے بعد مغرب کے سامنے کس منہ سے کھڑے ہونا چاہتے ہو۔ جدید سائنس سے متاثرہ جاہل اپنی سطح سے اٹھ کر اس سائنس کا تجزیہ کرنے سے قاصر ہیں انھوں نے ہزرل کی ستر سال پہلے سائنس پر تنقید Critique on Uropean Sciences اور ہائیڈیگر کی کتاب Question Concerniing Technology تک نہیں پڑھی اس کے بعد آج تک مغرب میں جدید سائنس کے خلاف جو کچھ لکھا گیا ہے کبھی اس کا احاطہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ [مارچ ۲۰۰۷ء اور مئی، جون ۲۰۰۷ء کے ساحل میں اس موضوع پر قیمتی لوازمہ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے] لیکن مسلسل سائنس کے قصیدے پڑھ رہے اور بے دینی، بے حمیتی اور بے غیرتی کی حالت یہ ہے کہ دین اسلام پر ہر اعتراض نہایت تحمل سے سنتے ہیں۔ سائنس پر کوئی اعتراض سننا ہی پسند نہیں کرتے اور قرآن کی اصطلاح میں جنگلی گدھوں کی طرح بھاگنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ موٹر سائیکل اور کار کے بغیر تو کوئی شخص اس دنیا میں چل ہی نہیں سکتا۔ یہ جہلاء کبھی جم خانے میں جا کر دیکھیں کہ لاکھوں روپے کار کا مالک ڈاکٹر کی ہدایت پر روزانہ دو گھنٹے پیدل دوڑ لگا رہا ہوتا ہے تاکہ اپنی صحت کو کار کے استعمال سے لاحق خطرات کا علاج کر سکے۔ ڈاکٹر کے کہنے پر میلوں پیدل دوڑتے ہوئے شرم نہیں آتی لیکن اونٹ گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ تمام جدید بیماریاں، ماحولیات کی تباہی شدید گرمی، شدید سردی، مہنگائی میں اس کار کا سب سے زیادہ حصہ ہے لیکن نہ انھوں نے کبھی اس موضوع پر کچھ پڑھا نہ پڑھنا چاہتے ہیں نہ سننا چاہتے ہیں۔ یہ جہالت کی آخری انتہا ہے۔ یہ چاہتے ہیں کہ اگر ہم سے کار چھڑوانا چاہتے ہو تو اس کی متبادل ایسی ہی کار دے دو جس کی صنعت کاری سے آلودگی نہ پھیلے، ماحول تباہ نہ ہو اوزون کی لہر نہ ٹوٹے، یہ اسلامی سائنس ہوگی۔ ایسی ہی کار ایسے ہی زہریلے عمل کے بغیر کیسے مل سکتی ہے؟ دین متبادل دینے نہیں آیا وہ خود متبادل ہے، متبادل کا مطالبہ جاہلیت، ضد اور ہٹ دھرمی ہے اور اس بچے کا مطالبہ ہے جس سے ماں دو سال کی عمر میں اس کا دودھ چھڑوا دیتی ہے تو صاحبزادے فرماتے ہیں کہ اس کا متبادل دیجیے ورنہ میں دودھ پیتا رہوں گا، ماں کے دودھ کا متبادل یہ ہے کہ ماں کا دودھ چھوڑ دو اور کھانا پینا شروع کر دو، ماں کے اس حصۂ جسم سے تمہیں کچھ نہیں مل سکتا نہ اس طرح کا متبادل۔ متبادل ہمیشہ دوسری طرح کا ہوگا ممکن ہے پیدل چلنا پڑے ممکن ہے گھوڑے گدھے اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھنا پڑے۔ ممکن ہے صرف صبر کیا جائے ممکن ہے کوئی گاڑی بھی مل جائے جو مقاصد شریعہ کی راہ میں مزاحم نہ ہو لیکن کیا ملے گا یہ اہم سوال نہیں ہے اہم سوال یہ ہے کہ مقاصد شریعت کا تحفظ ہو سکے گا یا نہیں؟ عصر حاضر میں یہ اہم سوال اوجھل ہو گیا ہے۔

قرآن حکیم نے نکاح کی قدرت نہ رکھنے والوں کو ہدایت کی کہ وہ صبر سے کام لیں۔قرآن حکیم نے متعہ یا عصر حاضر کے جاہل فقیہہ یوسف قرضاوی کی طرح ''نکاح المسیار'' کی اجازت نہیں دی وہ رب جو انسان کے نفس کی گہرائیوں، اس کی خباثتوں اور شرارتوں تک سے واقف ہے سورۃ النور میں فرماتے ہیں ''اور جن لوگوں کو نکاح کا مقدور نہیں انھیں چاہیے کہ ضبط سے کام لیں یہاں تک کہ اللہ انھیں اپنے فضل سے غنی کر دے'' لہٰذا عصر حاضر کے پیدا کردہ بہت سے مسائل میں متبادل قرآن کی روشنی میں ''صبر'' ہے غالباً جسٹس تقی عثمانی صاحب قرآن کی اس نص کے بعد متبادل کے مغربی فلسفے سے دستبردار ہو جائیں گے۔عہد رسالت مآب میں شراب پر مکمل پابندی کا حکم آیا تو صحابہ کرام میں سے ایک صحابی بھی رسول اللہ سے شراب کا متبادل پوچھنے نہیں آئے۔احادیث اور تواریخ کی کتاب میں درج ہے کہ شراب کی ممانعت کا حکم ملتے ہی لوگوں نے شراب کے مٹکے توڑ دیے مدینہ کی گلیوں میں شراب بہہ رہی تھی۔صحابہ کرام نے شراب کے برتن بھی توڑ دیے کہ اگر یہ زیر استعمال رہے تو شراب کی یاد ستائے گی کسی صحابی نے رسول اللہؐ سے یہ سوال نہیں کیا کہ شراب کا متبادل کون سا مشروب ہے کوئی نہیں کسی صحابی نے یہ سوال بھی نہیں کیا کہ میں شراب کا کاروبار کرتا ہوں اسی کی خرید وفروخت سے میرا رزق وابستہ ہے میں بھوکا رہوں گا کہاں سے کھاؤں گا۔میرے بیوی بچے، میری معیشت خطرے میں ہے، حرام کے لیے متبادل کا تصور بھی کسی صحابی رسول کے ذہن میں نہیں آیا۔اس کے برعکس عصر حاضر کے مسلمان یعنی جدید مسلم [Modren Muslim] کا حال دیکھیے سپریم کورٹ نے پنجاب میں پتنگوں کی ڈوروں سے سینکڑوں لوگوں کے مرنے، زخمی ہونے معذور ہو جانے کے ہزاروں واقعات پر ازخود کارروائی کرتے ہوئے پتنگ سازی پر پابندی لگادی تو ہزاروں عورتیں مرد سپریم کورٹ کے فیصلے کے خلاف اسلام آباد میں احتجاج کررہے تھے کہ کاروبار بند ہونے سے ہم بھوکے مر جائیں گے لہٰذا حکم واپس لو لوگ مرتے ہیں تو مریں مسلمان پندرہ سو سال میں اس قدر بدل گیا ہے۔دلوں کو قانونی فیصلوں سے نہیں بدلا جاتا چیف جسٹس افتخار چوہدری کے فیصلے سے کوئی نہیں بدلتا انہوں نے حکم دیا کہ صرف ایک کھانا شادی میں کھلایا جائے گا پورے پاکستان کی ہر دعوت میں اس حکم کا مذاق اڑایا گیا انبیاء کبھی عدالتوں اور قانون، سائنس وٹکنالوجی کے ذریعے انقلاب برپا نہیں کرتے وہ دلوں کی دنیا بدلتے ہیں وہ اس انسان کو بدلتے ہیں جس کے لئے شریعت آئی ہے وہ اس کے دل میں ایمان کی ایسی شمع روشن کر دیتے ہیں کہ ایک صحابی بھی یہ سوال کرنے نہیں آئے کہ شراب بند ہوگئی اس کا متبادل مشروب کیا ہے؟ اس کا متبادل کاروبار بتایئے ورنہ ہم نہیں مانتے۔یہ عصر حاضر کے بے خوف اور مغرب کے فلسفے اور اسلام کی روح سے ناواقف جاہل فقیہہ ہیں جو ہر حرام کاری کے لیے متبادل کی شرط لگا کر لوگوں کو حیلے بہانے مہیا کر کے حرام پر قائم رہنے کی شرعی وفقہی تاویلیں پیش کرتے ہیں۔متبادل کا مطالبہ کرنے والے دراصل اپنی پسند کا متبادل چاہتے ہیں وہ بھول جاتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ گدھے پر سفر کرتے تھے۔رسالت مآب صلعم کہ نبوت آپ پر ختم ہوگئی اونٹ پر سواری فرماتے تھے لیکن یہ اس سواری کو قبول نہیں کریں گے کہ دنیا آگے بڑھ چکی ہے وقت کی رفتار کو روکا نہیں جاسکتا، تاریخ پیچھے نہیں جاسکتی لیکن اکتوبر ۲۰۰۶ء میں جب ملک کے ایک حصے میں زلزلہ آیا تو تاریخ صرف ایک لمحے میں پیچھے چلی گئی، وقت کی رفتار سو برس پیچھے ہوگئی، پہیہ الٹا گھوم گیا وہ امراء جو ایئر کنڈیشنڈ اور گاڑی کے بغیر زندگی بسر نہیں کر سکتے تھے برفباری کے اندر خیموں میں رہنے پر مجبور ہو گئے کوئی نہیں مرا سب زندہ ہیں وقت کی رفتار رک گئی ہے متبادل کا فلسفہ وہی پیش کرتے ہیں جو دل سے سائنس کے خدا پر ایمان لا چکے ہیں اور سائنس کو دین پر مقدم جانتے ہیں۔سائنس کی خاطر دین ترک کر سکتے ہیں دین کی خاطر سائنس ترک نہیں کر سکتے تو تمہارا منہاج علم اور مابعد الطبیعیات سائنس ہے تو پھر دین کا نام کیوں لیتے ہو، اللہ کے دین کو ایسے بے دینوں کی کوئی ضرورت نہیں۔جدید سائنسی ایجادات ہمارے سامنے آخری تیار شدہ حالت [Finished Form] میں آتی ہیں لہٰذا ہماری نظر صرف اس ایجاد کے ظاہر اور اس سے حاصل فوری فوائد پر ہوتی ہے لیکن اس کے نقصانات اس کی تیاری کے مراحل جن سے فطرت، کائنات، انسان کو جو نقصانات پہنچ چکے ہم اس کا احاطہ نہیں کر سکتے نہ ہی عام انسان کی علمیت فوری طور پر ان نقصانات کا اندازہ کر سکتی ہے لہٰذا ہم اس ایجاد پر ایمان لے آتے ہیں۔مثلاً ہم بازار سے جدید سائنس کی ایجاد کردہ کوئی چیز خریدتے ہیں تو یہ تصور کر لیتے ہیں کہ اس شئے کی

تیاری کا پورا عمل فطری حقیقی اور حلال ہے یہ شئے بالکل اسی طرح بنی ہے جس طرح درخت کی شاخ پر ایک پتہ بنتا ہے ہم جس طرح درخت سے کوئی پتہ، بوٹا یا پھول توڑ لیتے ہیں اسی طرح دکان سے جدید سائنس کی چیز خرید لیتے ہیں لیکن دونوں طریقوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے درخت کا پھول پتہ فطری طریقے سے وجود میں آئے ہیں اس درخت کی فطری نشو ونما اس کائنات کے اصول فطرت سے ہم آہنگ ہے اس کائنات کے لئے نقصان دہ اور تباہ کن نہیں ہے اس بات کو دوسری مثال سے سمجھئے۔ مثلاً ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی کار جو ایک لمحے میں ہمیں منزل تک پہنچا دیتی ہے بالکل اسی طرح فطری طریقے سے بنی ہوگی جس طرح قدیم دیہات کی ایک عورت اپنے شوہر کے لیے روٹی تیار کرتی ہے یعنی عورت نے پہلے کھیت میں گندم بوئی، آبپاشی کی، بالیوں سے گندم نکالی، چکی میں پیس کر آٹا بنایا اور پھر آٹا گوندھ کر روٹی پکائی، یہ تمام عمل فطری طریقے سے فطری رفتار سے فطرت کے عین مطابق تکمیل تک پہنچا اس عمل کے دوران کائنات کی فطری ساخت، فطری حسن، اس کی ہئیت کو کسی قسم کا اندیشہ، خدشہ، یا خطرہ درپیش نہیں تھا۔ یہ پورا عمل مقاصد شریعت نفس دین عقل مال اور نسل کی حفاظت سے ہم آہنگ تھا۔ لیکن کار بنانے کا پورا عمل فطرت کائنات اور اس کے حسن و جمال کو تبدیل کرنے، برباد کرنے اور زہر پھیلانے کا عمل ہے، صرف یہ نہیں ان کارخانوں کے قیام کے لئے اربوں روپے کی سرمایہ کاری سود کے بغیر ممکن ہی نہیں اگر مصالح عامہ کے تحت محدود طور پر کار بنانے کی اجازت دی جائے تو شاید اس کے جواز کی کوئی صورت نکل آئے لیکن ہر روز کار کے نئے ماڈل کی آمد دنیا کے ہر حصے کو آلودہ اور تباہ و برباد کرنے کی اجازت کم از کم شریعت کے منہاج میں نہیں دی جاسکتی جس طرح کار بنتی ہے بنائی جاتی ہے۔ یہ وہ طریقہ نہیں جس طریقے سے روٹی پکائی جاتی ہے کیا مذہب کار بنانے کے اس غیر فطری، تباہ کن، مہلک طریقہ کار کی تصدیق، توثیق و تائید کرسکتا ہے۔ کیا ایسی تائید مقاصد شریعت کی حفاظت کا عمل ہے یا اس کے انہدام کا طریقہ دین کا مقصد انسان کو اللہ سے اور اس کی کائنات سے اور فطرت سے ہم آہنگ کرنا ہے جب کہ سائنس کا مقصد کائنات کو جدید انسان کی شیطنت، خباثتِ نفس اور شرانگیزی سے ہم آہنگ کر کے تسخیر کائنات کے شیطانی فلسفے کو جیتی جاگتی حقیقت میں تبدیل کرنا ہے اس رویے کے نتیجے میں کائنات کا درجہ حرارت اس کی فطرت، ساخت، اس کا سانچہ اور ڈھانچہ تک بدل گیا ہے اور ہزاروں انواع حیات مرچکی ہیں۔ ماحولیات کے موضوع پر ہزاروں صفحات پڑھے جاسکتے ہیں مسئلہ صرف کار کی تیاری یا جوہری بم ایجاد کرنے کا نہیں سوال یہ ہے کہ یہ کار اور یہ جوہری بم دنیا کی اکیس تہذیبوں میں کیوں ایجاد نہ ہوسکے؟ جدید سائنس کی ترقی کو کسی پہاڑ سے پھوٹنے والے جھرنے، کسی کوہ میں بہنے والی ندی، کسی پتھر سے نکلنے والے چشمے کی طرح ایک فطری عمل سمجھنا درست نہیں سائنس پر اٹھنے والے اعتراضات اور سوالات کو سمجھنے کے لئے اپنی خواہش نفس سے اوپر اٹھ کر سوچنا ہوگا یہ کام صرف علماء کرام ہی کرسکتے ہیں ان کے سوا کوئی اس کام کا اہل نہیں ہے سائنس پر وارد اعتراضات کے فہم و ادراک کے لئے لازم ہے کہ ہم جدید فلسفے سے آگاہ ہوں۔ تاریخ فلسفہ، تاریخ سائنس، تاریخ عیسائیت، تاریخ استعماریت، تاریخ نوآبادیات، پروٹسٹنٹ ازم کی تاریخ اور مذہب عیسائی کے بڑے بڑے فلسفیوں انیزلم، ایکوناس کے افکار نظریات پر یونانی فلسفے و سائنس کے اثرات اور اس کے نتیجے میں عیسائی ما بعد الطبیعیات میں آنے والی تبدیلیاں اور یونانی فلسفے و منطق سائنس کا عیسائی الہیات اعتقادات و ایمانیات میں اثر و نفوذ و شمولیت کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کئے بغیر جدید سائنس و ٹکنالوجی کی حیرت انگیز ترقی کو سمجھنا ناممکن ہے جدید سائنس کے فروغ میں سرمایہ داری نے کلیدی کردار ادا کیا ہے اور سرمایہ داری کی مذہبی تعبیر لوتھر کی پروٹسٹنٹ تحریک نے مہیا کی جس کے نتیجے میں یہ نظریہ وجود میں آیا کہ ''جو دنیا میں کامیاب ہے آخرت میں کامیاب ہے'' لہٰذا بادشاہ [King] دین و دنیا کا اصل فاتح قرار پایا اور سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار شخص بھی۔ دین و دنیا کی اس بہ ظاہر یکجائی کے نتیجے میں دین مغربی معاشرے و تہذیب سے رخصت ہوا اور محض روحانی تعیش بن کر رہ گیا دنیا کے ذریعے آخرت کی کامیابی کے اس تصور نے آخرت جنت و جہنم کے تصورات کو تہس نہس کردیا جدید سائنس کی ترقی کا یورپی ممالک کی اس لوٹ مار سے بھی براہ راست تعلق ہے جس کے نتیجے میں چین، ہندوستان، افریقہ، آسٹریلیا وغیرہ کو بری طرح لوٹا گیا لگتا تھا کہ دنیا بھر سے سونے کی نہریں اور دولت کے صندوق یورپ کی طرف کھچے چلے آتے ہیں اکبر کے زمانے میں برطانیہ کا حال کیا تھا سیاح ہیری کے

الفاظ میں ”ہندوستان کے ایک تاجر کے پاس اتنی دولت ہے کہ بینک اف انگلینڈ کے پاس بھی اتنی دولت نہیں ہوگی صرف دہلی میں جتنا کپڑا اتیار ہوتا ہے پورے انگلستان میں اتنا کپڑا اتیار نہیں ہوتا“ پھر کیا ہوا کہ تاریخ کا دھارا یورپ منتقل ہو گیا۔اس لوٹ مار کی تفصیل ساحل فروری ۲۰۰۵ء جون ۲۰۰۵ء اگست، ستمبر ۲۰۰۶ء میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ یہ سب استعماریت imperialism اور نوآبادیاتی حکمت عملی تھی جس کے نتیجے میں ہندوستان کی صنعت وحرفت تباہ وبرباد کی گئی۔صرف ہندوستان نہیں یورپی دنیا میں لوٹ مار کا سلسلہ مغرب اور یورپی اقوام نے شروع کیا۔ براعظموں کی لوٹ مار کے نتیجے میں اربوں روپے جمع ہوا جو جدید سائنسی ترقی کی اصل اساس ہے اس دولت کا اندازہ کئے بغیر صرف یہ کہہ دینا کہ ہم بھی مغرب جیسی سائنسی ترقی کر سکتے ہیں ایک احمقانہ دعویٰ ہے اور ایسے دعوے کرنے والے جہلاء نے نہ فلسفے کا مطالعہ کیا ہے نہ فلسفہ سائنس کا نہ مغربی استعماریت کی تاریخ کا اور نہ ہی وہ سرمایہ داری اور اس کی مذہبی تعبیر پروٹسٹنٹ ازم کی تاریخ سے واقف ہیں ظاہر ہے ہم مغرب کی مکمل تقلید کر کے اس کے رذائل کی پیروی کر کے بھی جدید سائنس میں وہ کمال حاصل نہیں کر سکتے لیکن یہ ضرور کر سکتے ہیں کہ اس سائنسی ترقی کی رفتار کو معکوس کر دیں اسے ختم کر دیں یہ بہر حال ہمارے اختیار میں ہے لیکن بغیر لوٹ مار کے جدید سائنسی ترقی ممکن نہیں ہے کیا عالم اسلام اس لوٹ مار کے لئے تیار ہے اگر تیار ہے تب بھی اسے لوٹ مار کے مواقع کیسے حاصل ہوں گے مغرب نے دنیا میں لوٹنے کے لے کچھ نہیں چھوڑا جو آپ کو مل جائے اور کیا عالمی استعمار آپ کو دنیا لوٹنے کی اجازت دے دے گا؟

جدید سائنس کی ترقی کے پس پشت بیکن، ڈیکارٹ، اور کانٹ کے فلسفے نے بنیادی کردار ادا کیا ہے جو شخص کانٹ کے فلسفے سے واقف نہیں وہ جدید سائنس وٹکنالوجی کی حقیقت سے کبھی واقف نہیں ہو سکتا اور وہ اسے غیر اقداری Value nutral سمجھ کر اس کی مدحت میں مصروف رہے گا کانٹ کے فلسفے نے مغرب میں مذہب کی بنیادیں ہلا دیں اور اس انسان کے وجود کو ممکن بنا دیا جو تاریخ انسانی کی اکیس تہذیبوں کے لئے اجنبی نامانوس اور ناقابل قبول انسان ہے۔جدید سائنس کی مابعد الطبیعیات الہیات ایمانیات کے بغیر جدید سائنسی ترقی ناممکن تھی اس کی تفصیل کانٹ کی کتابوں میں ملے گی جس نے ماوراء حواس دنیا کو دائرہ علم سے خارج کر کے صرف محسوسات پر مبنی دنیا کو علم اور دائرہ علم میں شامل کیا اور ہر اس شئے کو علم کی حدود سے خارج کر دیا جو ہمارے حواس سے ماوراء اور تجربے کی کسوٹی پر جسے آزمانا ممکن نہ ہو لہٰذا مابعد الطبیعیاتی سوالات سوالیہ نشان بن گئے کانٹ نے خیر کی تلاش کو خیر کی تخلیق کے سانچے میں ڈھال دیا اس نے بتا دیا کہ خیر وغیرہ کچھ نہیں ہوتا یہ ذہن انسانی کا تخلیقی لہو لعب ہے اس کا خدا سے کوئی تعلق نہیں اس نے انسان کو مخلوق کے مرتبے سے اٹھا کر خالق کے مرتبے پر فائز کر دیا جو اپنے ذہن سے خیر تخلیق کرنے پر قادر ہے اور خیر کے لئے کسی خدا کا محتاج نہیں اس فلسفے کے نتیجے میں انسان الوہیت کے درجے پر فائز ہو گیا۔

سوال یہ ہے کہ کسی چیز کے صحیح اور غلط خیر وشر، حق و باطل ہونے کا معیار کیا ہے؟ یہ بنیادی سوال ہے جو براہِ راست مابعد الطبیعیات سے متعلق ہے اور دنیا میں کوئی انسان، کوئی معاشرہ، کوئی تہذیب، کوئی فلسفہ کوئی سائنس بلکہ سائنس کا کوئی بھی منہاج، کوئی دین مابعد الطبیعیات یعنی ایمانیات الہیات معتقدات کے بغیر اپنے سفر کا آغاز نہیں کر سکتا۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ کسی خیر یا حق علم، سائنس، سوشل سائنس، ٹیکنالوجی، فلسفہ، ایجادات، مادی ذرائع و وسائل کو قبول کرنے کا پیمانہ کیا ہے؟ اس شئے کا خیر ہونا، ضرورت ہونا، یا اس خیر کا خیر ہونا یا اس خیر سے متوقع فوائد یا اس خیر سے وابستگی کے نتیجے میں ملنے والی مادی آسائشیں، فوائد، انعامات۔ ظاہر ہے تاریخ انسانی اس تصور کی کامل نفی کرتی ہے جب بھی آپ کسی خیر کو خیر کی بنیاد پر [on the baiss of Good] اختیار کرتے ہیں تو اس کے نتیجے میں لازماً کچھ نقصانات برداشت کرنا ضروری ہیں مثلاً مغرب نے مذہب کا دامن چھوڑ کر مادّہ پرستی [Materialism] آزادی وانسانی حقوق، پرستش نفس، مادہ پرستی [women worship] کو خیر تسلیم کیا ان تصورات کو مذہب بنایا تو تمام فطری اجتماعتیں، [Natural collectivities] خاندان، قبیلہ، گروہ، تمام رشتے، تعلقات، محبت، ایثار، قربانی پر مبنی عیسائی تہذیب کا خاتمہ ہو گیا لیکن اس تباہی کے

نتیجے میں مغرب کو غیر معمولی ترقی حاصل ہوئی رسالت مآب اور صحابہ کرام نے بت پرستی و شرک کو ترک کر کے دین کو اختیار کیا تو انہیں مسائل مصائب تکالیف کا سامنا کرنا پڑا ہجرت کرنی پڑی دنیا کی نعمتوں سے محروم کئے گئے ہیں زندگی محال کر دی گئی وقت کے پیغمبر کے پاس کھانے کو روٹی تک نہیں تھی پیٹ پر دو دو پتھر بندھے ہوئے تھے لیکن دین کی خاطر دنیا کا نقصان گوارا تھا۔ دنیا کے نقصان کا راستہ پیغمبروں کا راستہ ہے۔ فرمان رسالت مآبؐ ہے جو کوئی آخرت کو محبوب بنائے گا وہ اپنی دنیا کا نقصان ضرور کرے گا۔ کیا کوئی ایسا ہے کہ پانی پر چلے اور اس کے پاؤں نہ بھیگیں۔ صحابہ نے عرض کیا حضرتؐ ایسا تو نہیں ہو سکتا فرمایاؐ اسی طرح دنیا دار گناہوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ فرمایاؐ زہد کی زندگی کے بغیر حکمت عطا نہیں ہوتی جو مومن کا زیور ہے۔ فرمایاؐ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو دنیا سے اس کو اس طرح پرہیز کراتا ہے جس طرح کہ تم میں سے کوئی مریض کو پانی سے پرہیز کراتا ہے۔ [جب کہ اس کو پانی سے نقصان پہنچتا ہو] فرمایا زہد کی وجہ سے بندے پر حکمت کا القاء ہوتا ہے۔ فرمایاؐ جو بندہ زہد [لذائذ دنیا سے کنارہ کش ہونا] اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ ضرور اس کے دل میں حکمت اُگائے گا اور اس کی زبان پر بھی حکمت جاری کرے گا۔ فرمایاؐ جو شخص آخرت کو اپنا مقصد بنائے گا وہ دنیا کی آرائش و عشرت سے دستبردار ہو جائے گا [یہی بندہ اللہ کی نظر میں حیادار ہے] فرمایا معاذؓ آرام طلبی اور خوش عیشی سے بچتے رہنا اللہ کے خاص بندے آرام طلب اور خوش عیش نہیں ہوا کرتے۔ فرمایا اے عمرؓ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ کفار کے لیے دنیا کا عیش ہو اور ہمارے لئے آخرت کا عیش یہ کلمات رسول اللہ نے اپنے حجرے میں اس وقت ادا فرمائے جب حضرت عمرؓ آپ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے آپ کو چٹائی پر آرام کرتے ہوئے پایا اور آپؐ کے جسم مبارک پر چٹائی کے نشانات دیکھے تو رونے لگے اور پوچھا کہ یا رسول اللہؐ قیصر و کسریٰ مزے کریں اور آپ کی حالت ایسی ہو اس حجرے کا تصور کیجیے اور تاریخ عالم کی دو عظیم شخصیتوں کے مکالمات سنئیے اگر چشم تصور زندہ ہے ایمان سے دل خالی نہیں ہے تو اپنے آپ کو اس گفتگو کی گہرائی میں لے جایئے اگر ایمان کا ذرّہ بھی دل میں ہے تو آپ کی آنکھیں بھیگ جائیں گی ہچکیاں بندھ جائیں گی یہ دنیا اور اس کی لذت حقیر اور قابل نفرت ہو جائے گی یہی وہ طرز زندگی [Life Style] تھا جو رسول نے اپنی امت کو اپنی سنتوں کے ذریعے منتقل فرمایا اسی راستے پر صحابۂ کرام چلتے رہے رسول اللہ کا یہی عمل اسوۂ حسنہ کہا جاتا ہے اور جسٹس تقی عثمانی شیخ الاسلام ہوتے ہوئے جس طرز زندگی کی وکالت کر رہے ہیں اور جس عیش و عشرت کو امت مسلمہ میں عام کرنے کے لئے سودی معیشت کو اسلامی کہنے کے لئے بے بنیاد فتوے دے رہے ہیں رسول اللہ کی پوری زندگی اس بنکاری کا انکار کرتی ہے جو ایک فرد کو حاسد حریص، لالچی، عیش و عشرت کا دلدادہ اور وہ بھی قرض کی معیشت پر بنا دے۔ اس کے لئے کسی تحقیق اور لمبی چوڑی تقریر کی ضرورت نہیں ہمارے بعض جدید مفتیوں کے بارے میں امام غزالیؒ نے اپنی کتاب احیاء میں لکھا ہے ''افقہ کون ہے وہ جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہے فقہ تقویٰ کا نام ہے فتاوی اور فیصلوں کا نہیں فقیہہ تو وہ ہے جو دنیا سے نفور رکھتا ہو جب تم دیکھو کہ ایک عالم کا اکثر امراء کے ہاں آنا جانا ہے تو سمجھ لو کہ وہ چور ہے آخری زمانے میں ایسے علماء ہوں گے جو مجالس میں زہد کی تلقین کریں گے اور خود زہد اختیار نہ کریں گے علماء کے کھانے پینے رہنے سہنے کا معیار متوسط درجے کا ہوتا ہے اقل قلیل پر قناعت کرتے ہیں حاتم الاصم کا مکالمہ غزالیؒ نے رے کے فقیہہ محمد بن مقاتل سے نقل کیا ہے ''حاتم نے ان کی عالیشان کوٹھی اور زندگی اور ٹھاٹ باٹ پر کہا کہ آپ نے طرز زندگی میں کس کی پیروی اختیار کی ہے آنحضرتؐ کی یا فرعون و نمرود کی اے علماء سو جب ایک دنیا کا حریص اور جاہل دیکھتا ہے کہ ایک عالم کی زندگی کا یہ ٹھاٹ ہے تو اس کے دل میں یہ خواہش چٹکیاں لیتی ہے کہ میں اس سے بڑھ چڑھ کر کیوں نہ اس شر میں حصہ لوں یہ کہا اور ابن مقاتل کے محل سے باہر نکل آئے قزوین میں طنافسی ان سے بھی زیادہ ٹھاٹ سے رہتے تھے [جس طرح ہمارے آج کے بعض دنیا دار علماء اور اس دنیا داری پر فخر کرتے ہیں اور لاکھوں روپے کماتے ہیں] حاتم ان کے یہاں پہنچے اور وضو کا طریقہ سیکھنا چاہا انہوں نے کہا بہت اچھا پانی کا برتن اٹھالاؤ جب حاتم نے پانی کا برتن پیش کیا تو طنافسی نے وضو کرنا شروع کیا تین تین مرتبہ اعضاء وضو دھوئے اور کہا کہ یوں وضو کرنا چاہیے یہ کہہ کر اٹھنا چاہا تو حاتم نے کہا جی نہیں تشریف رکھیے تاکہ میں آپ کے سامنے وضو کر لوں حاتم نے وضو کرنا شروع کیا تو ہاتھ چار مرتبہ دھوئے طنافسی نے ٹوکا کہ تم اسراف کے

مرتکب ہوئے ہواس نے پوچھا کیوں طنافسی نے جواب دیا تم نے چار مرتبہ ہاتھ جو دھوئے حاتم نے کہا سبحان اللہ پانی کے چند قطروں کا زیاں تو آپ کو کھٹکتا ہے اور آپ اسے اسراف ٹھہراتے ہیں لیکن یہ عالیشان محل عیش وعشرت کی زندگی حریر و دیبا اور آرائیش وتزئین میں کہیں اسراف نہیں عصر حاضر کے بعض فقیہہ اسی قسم کے فتویٰ دے رہے ہیں]۔رسالت مآب ﷺ کو عرب کے تاج کی پیش کش کی گئی تو فرمایا اگر ایک ہاتھ میں چانداور دوسرے ہاتھ میں سورج رکھ دو تب بھی توحید سے ہجر گوارا نہیں پیغمبر جس خیر کو لاتے ہیں اس خیر کے ساتھ کانٹے بھی لاتے ہیں جسے کانٹوں کی زندگی گوارا نہیں اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں پیغمبران کانٹوں کو اپنی پلکوں سے چنتے ہیں لیکن عصر حاضر کا مسلمان ایک کانٹے کی چبھن بھی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں اور نعرے انقلاب کے لگا تا ہے۔جدید سائنس پر اعتراضات کرتے ہی اسے چٹخاروں کی زندگی کا خاتمہ نظر آتا ہے اور وہ مشتعل ہو کر بار بار پوچھتا ہے پتھروں کے دور میں لے جانا چاہتے ہو اونٹ کی پیٹھ پر بٹھانا چاہتے ہو۔اسلامی بینکاری اور جدید سائنس کی ہر ایجاد کی حمایت کرنے والے فقہاء بتائیں کہ کیا اس بینکاری کے ثمرات قرض کی گاڑی، قرض کے عالی شان مکان کے نتیجے میں کیا وہ شخصیت تعمیر ہو سکتی ہے جو کتاب الرقاق کی احادیث میں بیان ہوئی ہے اسلام کو جو انسان مطلوب ہے وہ کتاب الرقاق سے طلوع ہوتا ہے یا اسلامی بینکاری کے نام پر عیاشی کی ثقافت سے۔جسے نہایت بے شرمی کے ساتھ اسلام کا نام دیا جارہا ہے اور اسلام سے سرمایہ دارانہ شخصیت یعنی لالچی، حریص، حاسد انسان تیار کیا جارہا ہے۔کیا تصوف ایسی شخصیت تعمیر کرتا ہے؟ کیا شیخ الاسلام کو یہ سب نظر نہیں آرہا؟ کسی خیر کو قبول کرنے کی صورت میں نقصان کی ایک اور مثال رات کو بہت دیر سے سونے والے بچے کا صبح سویرے اسکول جانا اور ماں باپ کا رات کو دیر سے سونے کے باوجود صبح وقت پر دفتر جانا ہے۔رات کو خواہ وہ کتنی دیر سے سوئے ہوں انھیں صبح نیند سے بیدار ہونا ہوگا اپنے سکون کی قربانی دینی ہوگی دوسرے سکون کے حصول کے لئے جو تعلیم اور آمدنی سے متعلق ہے چونکہ نیند پر تعلیم اور آمدنی کو ترجیح حاصل ہے لہٰذا وقت پر اسکول اور دفتر جانے کے لئے آپ زندگی بھر یہ قربانی دیتے رہیں گے لیکن اس ترجیح کا تعین کون کرے گا کون سا منہاج، ترازو یا کسوٹی کرے گی کہ نیند پر کام کو ترجیح دو وہ منہاج علم ہی آپ کا تصور وخیر وشر اور حق وباطل ہے اس ترجیح کا تعین آپ کا نفس [self] نہیں کرے گا آپ کی مابعد الطبیعیات یعنی آپ کا عقیدہ ایمان الٰہیات اور تصور حقیقت وتصور خیر وشر کرے گا ایک شخص فجر کی نماز میں نماز کے لئے بستر سے اٹھ جاتا ہے دوسرا فجر میں جاگنے کے باوجود نماز کے لئے بستر سے نہیں اٹھتا یہ دو مختلف رویے دو مختلف مابعد الطبیعیات کا اثر ہیں کہ نیند پر نماز کو فوقیت حاصل ہے یا نماز کو نیند پر۔جب کسی سائنسی ایجاد کے بارے میں دینی منہاج کے اندر سوال اٹھا دیا جائے تو اس پر یہ اعتراض کرنا کہ آپ ہمیں اونٹوں پر بٹھانا چاہتے ہیں یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ یا تو تصور دین سے محروم ہیں یا آپ کا تصور دین بدل گیا ہے کسی بھی روایت Tradition یا کسی بھی دین Religion کے منہاج میں یہ سوال نہیں اٹھایا جاسکتا کہ کسی چیز کو ترک کرنے کا نتیجہ منفی تو نہیں ہوگا؟ یعنی نتیجہ پہلے معلوم ہوگا تو عمل کیا جائے گا صرف امید پر کوئی عمل انجام نہیں دیا جاسکتا یہ خالص مادہ پرستانہ فلسفہ ہے اصل بات یہ ہے کہ کوئی بھی شئے، نظریہ، عقیدہ، قول، فعل یا ایجاد فی نفسہٖ دین کے منہاج میں درست ہے یا نہیں یہ سوال ایمانیات کا لازمی تقاضہ ہے اگر آپ بار بار یہ سوال نہیں اٹھا رہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آپ کی ایمانیات آپ کے اعمال پر مطمئن ہے اور جو کچھ آپ قبول کر رہے ہیں وہ آپ کے منہاج ایمان میں درست ہے اسلام کے دائرے میں شریعت کو پانچ چیزوں کی حفاظت مطلوب ہے دین عقل نفس مال نسل لہٰذا ایک دینی آدمی کسی سائنسی ایجاد پر اعتراض کرنے والے سے یہ سوال لازماً کر سکتا ہے کہ آخر موبائل فون استعمال کرنے میں کیا حرج ہے کیونکہ اس کے استعمال سے نہ دین کو خطرہ ہے نہ عقل کو خطرہ ہے نہ نفس مال اور نسل کسی خطرے میں ہیں اس کے باوجود آپ اس کے استعمال کی مخالفت کیوں کر رہے ہیں جب سائل اس طریقے سے سوال پوچھتا ہے تو اس کی دلیل کا منہاج اور رخ یکسر بدل جاتا ہے یہ سوال اس فکر مندی سے طلوع ہوا ہے کہ کیا واقعتاً موبائل فون کا استعمال ٹھیک نہیں ہے اگر نہیں ہے تو اس کے استعمال سے مقاصد شریعت کو کیا نقصانات پہنچ سکتے ہیں اس کا ادراک ہونا چاہیے یہاں سائل کسی چیز کو جاننا چاہتا ہے وہ شریعت کا حکم معلوم کرنا چاہتا ہے وہ مقاصد شریعت اور موبائل فون کے استعمال میں مطابقت تلاش کرنے کا خواہاں ہے وہ نفس

پرستی کے منہاج میں نہیں کھڑا ہے وہ دین کے دائرے میں ہے اور اگر اسے بتادیا جائے کہ موبائل فون کا استعمال غلط ہے تو اسے اس کے ترک کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوگا دنیا کی تاریخ میں کبھی بھی کسی خیر کسی الحق کو قبول کرنے کی دلیل افادی [Utility]، مادی [Material] یا جس چیز سے فائدہ ہو وہ کام کرلو کے اصول [Pregmatism] پر مبنی نہیں رہی مغرب میں [pregmatism] مابعد الطبیعیاتی مسئلہ ہے کیونکہ مغرب آخرت پر یقین نہیں رکھتا اس دنیا کو دائمی سمجھتا ہے لہٰذا وہ انسان کو لذت کے حصول میں مبتلا ایک جانور [Man is a pleasure seeking animal] تصور کرتا ہے اور لذت جس طرح جس طریقے سے بھی حاصل ہو اس کے حصول کو مقصد زندگی اور ہدف زندگی قرار دیتا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص مغربی مابعد الطبیعیات کا قائل ہے تو اس کو جدید سائنس پر اعتراضات عجیب لگیں گے خود مغرب میں عوام الناس جو جدید مغربی فلسفے اور اس کے شارحین کے کام سے قطعاً ناواقف ہیں ان اعتراضات کو عجیب سمجھیں گے کیونکہ عام لوگ کسی معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ان کی نظر ہر شئے کے ظاہر پر ہوتی ہے اس کی حقیقت ان سے پوشیدہ رہتی ہے لیکن مغرب کے بڑے بڑے فلسفی مثلاً ہرزل ہائیڈ یگر سے لے کر ڈیلوز اور فوکالٹ وہیبر ماس وغیرہ وغیرہ جو مادیت افادیت کے فلسفے کے شارحین ہیں اور موت آخرت قیامت جن کے لئے بے کار موضوعات ہیں وہ بھی جدید سائنس اور جدید طرز زندگی کے پیدا کردہ مسائل پر نہایت فکر مند ہیں اور دنیا کو مسلسل بتا رہے ہیں کہ اس سائنس نے انسان کو کائنات کو فطرت کے حسن کو کس طرح تباہ و برباد کردیا ہے اور انسان یک رخا آدمی [One Diminsional man] ہوگیا ہے چونکہ پاکستان کے دانشوران مباحث سے واقف نہیں لہٰذا ان کے سامنے جدید سائنس پر جب بھی کوئی تنقید کی جاتی ہے وہ فوراً ایسے سوالات اٹھاتے ہیں جو جذباتی ہوتے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ان کی جہالت کا سبب مغرب کے فلسفے مغرب کی سائنس اور اس پر مغرب میں ہونے والی تنقید سے ناواقفیت ہے لہٰذا ایسے جاہلوں کی جذباتی دلیلوں کے باعث مغرب پر سائنس پر تنقید نہ ترک کی جاسکتی ہے نہ معطل ہوسکتی ہے یہ تنقید جب مغرب میں گزشتہ سو سال سے ہو رہی ہے تو عالم اسلام میں کیوں نہیں ہوسکتی؟

جدید سائنس اور مغرب سے آنے والی ایجادات کے بارے میں ہمارے اکثر اسلامی مفکرین اور دانشوروں کا تصور صرف نہایت مثبت ہی نہیں نہایت پر خلوص اور گرم جوش بھی ہے وہ اس بات پر ایمان لاچکے ہیں کہ جدید سائنس اور اس کی مصنوعات سراسر الحق خیر اور نیک ہیں لہٰذا ان پر اعتراض اور تنقید کرنے والے احمق و جاہل ہیں یہ مفکرین جدید سائنس کے حوالے سے ایک لفظ سننے پر آمادہ نہیں ہوتے انھیں غار، کوہ، کھلا آسمان، پتے، تپتی ہوئی زمین، بیابان، صحراء، اور اونٹ کی پیٹھ نظر آنے لگتی ہے جدید سائنس اور اس کے آثار و مظاہر پر اس قدر پختہ ایمان کی بنیاد یہ ہے کہ یہ اہل علم سائنس کو اصل علم سمجھتے ہیں اور دین کو یا تو اس کے برابر رکھتے ہیں یا اس سے کمتر خیال کرتے ہیں جو چیز اصل علم ہو اور ایمانیات کا حصہ ہو اس کے خلاف کوئی دلیل سننے پڑھنے اور سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہوتے حالانکہ یہ مقام صرف دینی علم کو حاصل ہے کہ اس کی الٰہیات اور معتقدات پر کسی اعتراض کو برداشت نہ کیا جائے مگر المیہ یہ ہے کہ عہد حاضر کی ملت اسلامیہ کی دینی حمیت سائنسی علمیت کے لئے وقف ہوگئی ہے جو سائنس پر کوئی اعتراض نہیں سننا چاہتی لیکن دین پر ہر قسم کے اعتراضات بڑے تحمل سے سنتی اسے رواداری قرار دیتی اور فوراً افہام و تفہیم بات چیت اور مکالمے [Dialouge] پر آمادہ ہوجاتی ہے سوال یہ ہے کہ سائنس پر مکالمہ کیوں نہیں ہوتا دینی امور پر مکالمہ کیوں ہوتا ہے؟ اس لئے کہ سائنس تمہارا دین بن چکی ہے اور دینی امور تمھیں تاریخی ورثے کے طور پر ملے ہیں جو تاریخی آثار ہیں وہ حمیّت جو کبھی دین کے لئے تھی اب سائنس کے لئے وقف ہوگئی ہے ہمارے دینی دانشور بازار میں جاتے ہیں چیزیں خریدتے ہیں پلاسٹک کی تھیلی میں ڈالتے ہیں اور گھر آجاتے ہیں پھر پلاسٹک کی تھیلی کی تعریف کرتے ہیں کہ اس نے کتنی سہولت پیدا کردی ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ تھیلی بننے کا عمل بالکل ویسا ہی ہے جیسے پودے میں پھول کھلنے کا سادہ عمل انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس تھیلی بنانے میں کتنے کیمیائی مادے کتنا پانی استعمال کیا گیا ہے یہ کیمیائی مادے دریا اور سمندروں میں پھینک کر اس پانی کو آلودہ کیا گیا اور آبی حیاتیات کو ختم کردیا گیا اس تھیلی نے کئی قدیم صنعتوں کا خاتمہ کردیا یہ کینسر کی مہلک بیماری لے کر آئی اس

تھیلی کو ضائع نہیں کیا جاسکتا اسے جلایا جائے یا دوبارہ قابل استعمال بنایا جائے ہر صورت میں زہریلے مادے فضا میں بکھر جاتے ہیں اس پس منظر کو جانے بغیر آپ کو تھیلی کی سہولت بہت اچھی لگتی ہے ان جاہلوں کو معلوم نہیں کہ مغرب میں پلاسٹک کی تھیلی پر اب کیوں پابندی لگی ہے جو نقصان پہنچنا تھا پہنچ چکا لیکن حقیقت یہ ہے کہ جدید سائنس پر اعتراض صرف مذہبی علماء نہیں کررہے مغرب کے تمام بڑے بڑے فلسفی، سائنسدان، ماہرین سماجیات و عمرانیات گزشتہ ایک صدی سے مستقل کررہے ہیں اور جدید سائنس کے ان تمام خطرناک مہلک پہلوؤں سے پردہ اٹھارہے ہیں جو عام آدمی کی نظروں سے اوجھل تھے اور عام آدمی ان مباحث کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ اس موضوع پر وہاں ہرزل ہائیڈیگر سے لے کر ہیبر ماس تک لاکھوں صفحے لکھے جاچکے ہیں لیکن عالم اسلام مغرب کے اس نقد سے بالکل بے خبر ہے لہٰذا ہمارے یہاں جب کوئی جدید سائنس پر تنقید کرتا ہے تو پروفیسر ہودبائی، یوسف قرضاوی، جاوید غامدی سے لے کر ڈاکٹر منظور احمد تک سائنس کے ناقدوں پر طنز کرتے ہیں کہ کیا اونٹوں کے دور میں لے جانا چاہتے ہو جدید سائنس کے غالی معتقدین اور مقلدین کان کھول کر سن لیں کہ اگر خیر اور الحق کے حصول کی خاطر ہمیں اونٹوں کی پیٹھ پر بیٹھنا پڑے تو ہمیں اس میں کوئی تردد نہ ہوگا اگر اس کی خاطر پیدل بھی چلنا پڑے اور مقاصد شریعت کی حفاظت پیدل چلنے سے ہورہی ہو تو ہم بخوشی پیدل بھی چلیں گے ہمارا مقصد اپنے رب کی رضا کا حصول ہے یہ رضا خواہ اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھ کر ملے یا سنگریزوں پر ننگے پاؤں دوڑتے ہوئے ملے اس کے حصول کی خاطر ہر چیز ترک کی جاسکتی ہے۔ معرفت رب اور قرب الٰہی ایک مومن کا مقصد زندگی ہے اس مقصد کی خاطر ہم دنیا کو اختیار بھی کرتے ہیں اور ترک بھی کرتے ہیں ترک واختیار کی بنیاد صرف اور صرف معرفت رب ہے ترک واختیار کا منہاج شریعت ہمیں عطا کرتی ہے لہٰذا ہر ایجاد اور انکشاف کو مقاصد شریعت یعنی دین نفس عقل مال اور نسل کی حفاظت کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا اگر وہ ایجاد اس کسوٹی پر پورا اتر جائے تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں اگر اس کے استعمال میں ہرج ہے تو پھر یہ دیکھا جائے گا کہ ہرج کی نوعیت کیا ہے؟ یہ بھی دیکھا جائے گا کہ فوائد زیادہ ہیں یا نقصانات کیونکہ خیر وشر میں فائدے بھی ہوتے ہیں اور نقصانات بھی۔ [مثلاً اسلامی منہاج میں صلوٰۃ، زکوٰۃ، جہاد کے تصورات دوسرے منہاج کے شخص کو آرام وسکون جان مال کے نقصانات محسوس ہوں گے لیکن اسلامی عقلیت اسے نقصان تصور نہیں کرے گی]۔ فیصلہ اس بات پر ہوگا کہ نقصانات زیادہ ہیں یا فوائد یہ اصول قرآن کی نص سے ثابت ہے جب فرمایا گیا کہ شراب اور جوئے میں فائدے بھی ہیں اور نقصانات بھی لیکن اس کے نقصانات اس کے فوائد سے بڑھ کر ہیں لہٰذا ہر سائنسی ایجاد کو ترک واخذ کرنے کا اصول نص صریح پر مبنی ہوگا کیونکہ ہر ایجاد میں کوئی نہ کوئی فائدہ ضرور ہوتا ہے شر ہمیشہ جانب خیر سے آتا ہے وہ سراسر شر ہو اور کوئی فائدہ نہ ہو تو اسے کیوں قبول کیا جائے شیطان نے حضرت آدم کو دانہ گندم کھانے کی ترغیب دی تو اس عمل کے فوائد بھی بتائے ہمیشگی کی زندگی کا فائدہ کوئی معمولی فائدہ نہ تھا شراب میں لذت اور جوئے میں نفع ہے لیکن آخر کار یہ فوائد بہت خسارے کا سودا ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ ہمارے انقلابی اسلامی دوست بعض اسلامی تحریکوں کے نادان اور مطالعے سے محروم قائدین، دینی حلقوں میں بعض علماء جو انگریزی سیکھ کر اور مغربی ممالک کے چند دورے کر کے مغرب کے گرویدہ بن گئے ہیں اور اسلام سے ٹریفک کے قوانین ثابت کرتے ہیں [ان انگریزی بولنے والے مفکرین سے دیگر علماء شدید مرعوب ہوتے ہیں حالانکہ انگریزی بولنا کوئی کمال نہیں ہے بیروت کا باورچی عربی اور امریکہ کا خاکروب انگریزی ہم سے اچھی بول سکتا ہے انگریزی آنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کو مغرب کے تمام علوم بھی آ گئے ہیں مثلاً انگریزی جاننے والے ایکس رے رپورٹ۔ سی ٹی اسکین کی رپورٹ، پیتھا لوجیکل رپورٹ نہیں پڑھ سکتا نہ سمجھ سکتا ہے کیونکہ یہ رپورٹ جن اصطلاحات میں لکھی جاتی ہے اس کی زبان سے ہر انگریزی بولنے پڑھنے والا واقف نہیں ہوتا اسی طرح فلسفے کی اصطلاحات سے یہ علماء بالکل ناواقف ہوتے ہیں] ان کے لئے یہ تصور بھی سوہان روح ہے کہ زندگی کے کسی مرحلے میں انھیں ایئر کنڈیشنڈ گاڑی اور موبائل فون ترک کرنا ہوگا ایک مومن کے لئے یہ دنیا حقیر ترین شئے ہے اور اس کی آسائشیں انعامات اور آرائشیں ایک ضمنی ثانوی غیر اہم مسئلہ ہے۔ وہ اپنے رب کے لئے سب کچھ ترک کرسکتا ہے [آزاد کشمیر اور شمالی علاقوں میں دوسال پہلے خوفناک زلزلہ آیا تو سب کچھ تہس نہس ہوگیا بڑے بڑے

امیر لوگ ایئر کنڈیشنڈ، بجلی، بیت الخلاء، اور ہیٹر کے بغیر ایک سال تک سخت گرمی اور شدید سردی میں خیموں میں رہنے پر مجبور ہو گئے] انسان ہر طرح کے حالات میں زندگی بسر کر سکتا ہے تو اپنے رب کی خاطر وہ سب کچھ ترک کر سکتا ہے جو دین کے تقاضوں کے مطابق نہ ہو بات صرف یہ ہو رہی ہے کہ جدید سائنس کے ثمرات کے اخذ و ترک کا پیمانہ کیا ہو اور ذہن فوراً اونٹ کی پیٹھ پر منتقل ہو جاتا ہے یہ وہ پست ذہنیت ہے جو مغربیت [Westrenization] جدیدیت [Modrenity] اور مادیت [Materialism] اختیار کرنے والے لوگوں میں خود بخود پیدا ہو جاتی ہے خواہ وہ اسلامی انقلابی تحریکوں کی قیادت میں بڑے عہدوں پر ہی فائز کیوں نہ ہوں؟ تم جدید سائنس کے بارے میں کوئی سوال کیوں نہیں سننا چاہتے آخر یہ وحی الٰہی تو نہیں ہے پھر اس کے ساتھ وحی جیسا برتاؤ کیوں؟ حج میں احرام باندھنا تکبیر کہنا، نماز میں رفع یدین کرنا، جمرات پر کنکریاں مارنا صفاء و مروہ پر سعی اس عزم کی مختلف علامات ہیں کہ اے میرے رب میں نے دل کی گہرائیوں سے آپ کی محبت اور معرفت کو اختیار کر لیا ہے میری پہلی اور آخری محبت آپ ہیں آپ کی خاطر میں اس دنیا کو ترک کر سکتا ہوں لیکن آپ کو ترک نہیں کر سکتا جدید سائنس کی محبت میں بے تاب مسلم مفکرین کو حضرت سارہ کا واقعہ اور حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کا منظر یاد نہیں ہے جس امت کے پیغمبر اپنے رب کے حکم پر اپنے بیٹے کے گلے پر چھری چلا سکتے ہیں اور رب کے حکم پر لق و دق صحراء میں پانی کے بغیر ایک عورت کو معصوم بچے سمیت صحراء میں تنہا چھوڑ سکتے ہیں وہ ان اعمال و افعال کے ذریعے دنیا کو قیامت تک یہ پیغام دے رہے ہیں کہ مومن کا اصل سہارا حبل الناس نہیں حبل اللہ ہے اسباب نہیں مسبب الاسباب ہے یہ وہ رب ہے جو صحراؤں میں پھول کھلا سکتا ہے ریت کے ذرے کو گلاب میں بدل سکتا ہے ابراہیم کو بڑھاپے میں اولاد عطا کر سکتا ہے اور ایڑیاں رگڑتے ہوئے بچے کی سعی سے بیابان میں چشمہ جاری کر سکتا ہے افسوس کہ اس عظیم امت کے چند جدید علماء اور نادان مذہبی مفکرین یہ سوال اٹھا رہے ہیں کہ اگر جدید سائنس کی کچھ ایجادات کو ترک کر دیا تو ہمیں پتھروں کے زمانے میں جانا پڑے گا اونٹ پر بیٹھنا پڑے گا دوسرے معنوں میں تمہارے اصل خدا تو نیا زمانہ، ترقی، تمدن کا ارتقاء زمانے کا تقاضہ، نئ روشنی، روشن خیالی، موبائل فون، گاڑی اور نئ ایجادات ہیں یہی تمہارا منہاج خیر و شر ہے تو اس کے لئے اسلام کی کیا ضرورت ہے اسے ترک کر دو۔ دین کو بدلنے سے بہتر یہ ہے کہ دین ترک کر دیا جائے یہ یاد رکھو کہ دین خود بدلنے نہیں آیا وہ تمہیں بدلنے آیا ہے تم نہیں بدل سکتے تو اپنا دین بدل لو اپنے رب پر احسان نہ رکھو کہ ہم نے دین اسلام قبول کر لیا ہے۔ اللہ کسی ایک مسلمان کا محتاج نہیں ہے پوری دنیا دین کو ترک کر دے اور خدا کو نہ مانے تو اس کی خدائی پر کوئی حرف نہیں آتا اللہ نے بار بار کہا ہے کہ ایک متنفس بھی اگر مجھے تسلیم نہ کرے تو میری بادشاہی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مسلمانوں اور شاید آج کے مسلمانوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر تم دین کو ترک کر دو تو میں تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آؤں گا دین اختیار کرنے میں انسانوں کی اپنی بھلائی ہے مسلمان اپنے دین کا احسان اللہ پر نہ رکھیں یہ اس کا احسان ہے کہ تمہیں دین کی نعمت ملی ہے۔ اس نعمت کو ترجیح دینے کے بجائے تم سائنس کی مہیا کردہ نعمتوں کو ترجیح دیتے ہو اور سائنس کے خطرات اور مضمرات کے بارے میں کوئی تنقید تک سننے پر تیار نہیں ہو اور اس سے بڑا ظلم یہ کہ مغرب جو سائنس کا موجد ہے اس کے فلاسفہ کی جدید سائنس پر تنقید پڑھنے کے لئے بھی آمادہ نہیں ہو یہ جہالت کی آخری انتہا ہے تم اسلام کے مقلد ہو یا جدید مغرب اور جدید سائنس کے مقلد دین بڑی نعمت ہے اتنی بڑی کہ اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس نعمت کی قدر کرنا سیکھو ورنہ دنیا سے اس طرح مٹ جاؤ گے جس طرح ایک بیوہ کا آنسو تنہائی میں شدت غم سے آنکھ سے ٹپکتا ہے اور مٹی میں گر کر ہمیشہ کے لئے تحلیل ہو جاتا ہے۔ تاریخ گزشتہ تین سو برس سے تمہیں تھپیڑے لگا رہی ہے لیکن تم غفلت کی نیند سے جاگنا ہی نہیں چاہتے اگر تم تین سو برس میں نہیں جاگ سکے تو اس وقت کا انتظار کرو جب تمہیں قضاء قدر کے فیصلے ابدی نیند سلا دیں گے۔

جدید سائنس کی حمایت میں وحید الدین خان، شہاب الدین ندوی، جاوید غامدی، عبدالباری ندوی، عبدالماجد دریا آبادی، علامہ اقبال، ڈاکٹر رفیع الدین، ذاکر نائیک وغیرہ نے جو کچھ لکھا ہے وہ نہایت سطحی علمی کام ہے عموماً لکھنے والوں نے جدید سائنس کے ثمرات کمالات تجلیات و معجزات پر ایمان لا کر اسے غیر اقداری تصور کر کے اسے مقصد شریعت، منتہائے دین اور ہدف ملت اسلامیہ

قرار دے کر اپنے دلائل کا آغاز کیا ہے جب آپ جدید سائنس پر یقین کو ایمانیات کی سطح پر لے آئیں تو یہ عقائد کی فہرست میں ایک نیا اضافہ ہے جسے کسی سطح پر قبول نہیں کیا جاسکتا جدید سائنس سے محبت کے لئے کچھ اخلاقی کچھ دینی کچھ فلسفیانہ، کچھ روحانی، بنیادیں ضروری ہیں لیکن یہ مصنفین کسی بنیادی سوال کو اٹھائے بغیر مقدمہ یہاں سے شروع کرتے ہیں کہ اسلام میں اس سائنس کی کوئی ممانعت نہیں بلکہ اسلام اسی سائنسی ترقی کے لئے آیا تھا مسلمان آزادی سے محروم ہوگئے وہ سائنسی ترقی نہ کر سکے مغرب نے ہماری روح ہم سے لے لی اور ہم سے آگے نکل گیا لہٰذا اب سائنس کے اس غبارے کا دھاگہ کسی طرح پکڑ کر ہم اس غبارے پر اسلام لکھ دیں یہ ان مصنفین کے دلائل کی کل کائنات ہے یہ جہالت کی ایک انتہا ہے اس کے برعکس روایت کے مکتبۂ فکر یعنی رینے گینوں کے مقلدین حسین نصر وغیرہ نے جدید سائنس کے مقابلے میں اسلامی سائنس کا پرچم بلند کرنے کی کوشش کی اور سائنس و فلسفے کو بابل میں آنے والے نبی اور حضرت ادریسؑ سے ثابت کر کے رسول، سائنس داں اور فلسفی کو ایک ہی سطح پر رکھ دیا یہ جہالت کی دوسری انتہاء ہے المیہ ہے کہ عالم اسلام ابھی تک انہی جاہلانہ افکار میں گم ہے۔ جدید سائنس کے حق میں دلائل دینے والے اور فتوے دینے والے علماء اس سوال پر غور فرمائیں کہ کیا وجہ ہے کہ دنیا کی اکیس تہذیبوں میں جہاں سواری کے لیے گھوڑے گدھے اونٹ خچر استعمال ہوتے تھے تو سواری کے ان جانوروں کو کوئی نہیں چھینتا تھا۔ سواری بنیادی ضرورت ہے لہٰذا ہر ایک سواری رکھتا تھا اور لوگ ایک دوسرے کو اپنی سواری مستعار دینے میں کوئی تکلف محسوس نہیں کرتے تھے اس سواری کی انشورنس بھی نہیں کرائی جاتی تھی اس سواری کا کمال یہ تھا کہ یہ سواری ہر سال دو چار بچے بھی دیتی تھی اس میں پیرول ڈالنے کی بھی ضرورت نہیں تھی اردگرد موجود زرعی زمینوں اور چراگاہوں سے اس کی خوراک کا بندوبست ہوجاتا تھا اگر یہ سواری ضائع ہوجاتی تو دوسری سواری خریدنا ناممکن نہیں ہوتا تھا اگر سواری میں کوئی نقص پیدا ہوجاتا تو اس سواری کو ذبح کر کے کھالیا جاتا۔ یہ سواری کسی قسم کی ماحولیاتی آلودگی کا باعث نہیں تھی۔ اس کا گوبر وغیرہ کھاد کے کام آتا تھا۔ اس سواری پر بیٹھ کر امام بخاریؒ نے تین براعظموں کا سفر کیا [جدید دنیا میں کسی ماہر فن یا سائنس داں نے گاڑی پر بیٹھ کر تین براعظم سے علم حاصل نہیں کیا جہاز موجود ہے لیکن اس کا خرچہ کوئی نہیں اٹھا سکتا لہٰذا ایک ایسا جدید عالم نہیں ملے گا جس نے گاڑی یا جہاز پر تین براعظموں سے علم حاصل کیا ہو] اور بڑے بڑے اساتذہ، علماء، فقہاء سے استفادہ کر کے عالم اسلام کو بخاری جیسی کتاب کا عظیم تحفہ دیا۔ اس سواری کی دیکھ بھال کے لیے بڑے بڑے ورکشاپ نہیں کھولے گئے جہاں بیٹھے ہوئے کارندے لوگوں کو بےوقوف بناتے ہوں مالک اس سواری کے تمام کل پرزوں کو اور طریقہ کار کو جان سکتا تھا اور جانتا تھا وہ اس کی خوبیوں خرابیوں سے واقف ہوتا تھا اس کو درست کرنے اور درست رکھنے کے لیے اسے سات سمندر پار سے ماہرین، بروشر، ٹیکنالوجی ایکسپرٹ، اور ہزاروں قسم کے مختلف ماہرین کی ضرورت نہ تھی، اس عہد میں سواری اتنی عام تھی کہ لوگوں کو سفر کرنے کے لیے پائی پیسہ نہیں دینا پڑتا تھا۔ اس سواری کا سب سے بڑا فائدہ انسان کا صحت مند وجود تھا۔ گھوڑے کی پیٹھ پر پندرہ کلومیٹر سفر کرنے کے بعد نہ کسی کو حملہ قلب ہوتا تھا نہ بلڈ پریشر بڑھتا تھا نہ شوگر ہوتی تھی اور سونے کے لیے نیند کی گولیاں بھی نہیں کھانی پڑتی تھیں۔ نہ جسم میں قسم قسم کے درد ہوتے تھے جو آج کل کے پیٹ بھروں کو لاحق ہوگئے ہیں۔ سواری کو خوراک مہیا کرنے کے لیے انسان اپنے اردگرد درختوں، زرعی پیداوار چراگاہوں کا خاص خیال رکھتا تھا لہٰذا فطری اور قدرتی ماحول ہر طرف برقرار رہتا تھا اور انسان سیر و تفریح کے لیے شہر سے باہر فارم ہاؤس نہیں جاتا تھا کہ وہاں جا کر سبزہ گھاس درخت، پھل پھول دیکھے اور خوش ہو لیکن اس خوشی کے لیے اسے چوبیس گھنٹوں کے پندرہ بیس ہزار روپے ادا کرنا پڑیں۔ ہر شخص اس عہد میں فارم ہاؤس کے اندر رہتا تھا فارم ہاؤس کے دھندے نہیں تھے یہ اس عہد کی بات ہے جو فطرت سے ہم آہنگ عہد تھا اور اب کاروں کا عہد ہے۔ سواریاں ہر جگہ موجود ہیں مگر کوئی سواری لاکھوں سے کم نہیں اور یہ خصوصیات جو قدیم سواریوں کو میسر تھیں کیا اس سواری کو میسر ہیں جسے کار کہتے ہیں؟ اس سوال پر سنجیدہ غور و فکر کی ضرورت ہے کہ گاڑیوں کی آمد نے ہماری زندگی، تہذیب، ثقافت، تمدن پر کیا اثرات مرتب کیے ہیں۔ اسے چھوڑیے صرف ماحولیات پر اس کے اثرات کیا ہیں؟ ایک گاڑی جو بنی بنائی آپ کو مل جاتی ہے تو آپ سمجھتے ہیں کہ جس طرح آٹا گوندھ کر روٹی پکالی جاتی ہے۔ گاڑی

بھی اسی طرح بن کر آ جاتی ہے اس کی صنعت کاری کا عمل اگر آنکھوں سے دیکھ لیا جائے تو انسانوں کے ہوش اڑ جائیں۔ ایک گاڑی کی تعمیر میں کتنے ہزار قسم کے کیمیائی مادے، کتنے ہزار گیلن پانی استعمال ہوتا ہے یہ تمام زہریلا مواد کیا مریخ پر پھینکا جاتا ہے یا حدود زمین و آسمان کے اندر پھینکا جاتا ہے۔ اس کیمیائی زہر سے انسانوں پر، درختوں پر، زمین پر، پودوں پر، سمندروں، دریاؤں پر کیا اثرات ہو رہے ہیں۔ اگر یہ زیر زمین پھینکا جاتا ہے تو یہ زہر کس تک پہنچتا ہے؟ اگر یہ سمندروں میں بہایا جاتا ہے تو اسے کون کھاتا ہے؟ اگر یہ دریاؤں میں انڈیلا جاتا ہے تو اسے کون پیتا ہے اگر اسے بہت اونچے درجہ حرارت پر پگھلا کر گلا کر ابال کر جلا کر ہوا فضاء خلاء میں بھیج دیا جاتا ہے تو اس ہوا میں سانس کون لیتا ہے؟ کیا اس گاڑی کے زہر سے دنیا کا کوئی ذی روح محفوظ ہے۔ کیا کار بنانے کے نتیجے میں مقاصد شریعت یعنی دین، عقل، نفس مال اور نسل کی حفاظت ہو رہی ہے؟ کیمیائی مادے بحر و بر میں فساد برپا کر رہے ہیں یا نہیں اگر یہ سب کچھ درست ہے تو کیا زہر کو سہولت کے نام پر پھیلا دینا ترقی ہے؟ پھر یہ کہ کیا صرف سواری کے لئے کار بنانے کے بعد کار کی تیاری کا کام ختم ہو گیا یہ ہر روز نئی نئی گاڑیاں نئے نئے ماڈل کیوں بنائے جا رہے ہیں اگر ضرورت تھی تو وہ پوری ہو گئی یہ کونسی ضرورت ہے کہ اربوں کھربوں روپے عیاشی کے لئے وقف کر دیے گئے ہیں اور اربوں روپے کے اشتہارات اور سودی معیشت کے ذریعے پوری دنیا کو جدید سائنسی ایجادات سے متعارف کرایا جا رہا ہے ضرورت اور تمتع کی حدود شریعت اور مابعد الطبیعیات طے کرے گی یا کارخانہ دار اور سرمایہ دار ٹی وی کے اشتہارات اور آزاد منڈی کی معیشت طے کریں گی۔ جب اس سوال کو اٹھایا جائے گا تو شیخ یوسف قرضاوی سے لے کر شیخ حضرت تقی عثمانی تک اور تحریک اسلامی کا نہایت مخلص کارکن اور رہنما بھی سوچنے، سمجھنے کی زحمت کیے بغیر اور سوال کی گہرائی میں اترے بغیر فوراً یہ سوال اٹھا دے گا کہ کیا آپ ہمیں پتھروں کے زمانے میں واپس لے جانا چاہتے ہیں؟ ہمارے جدیدیت پسند علماء فقہاء اور مغرب سے حد درجہ مرعوب اسلامی انقلابی جدید سائنس کی ایجادات کے خلاف کوئی بات ہی نہیں سننا چاہتے وہ تمام ایجادات پر کسی استثناء کے بغیر اس طرح ایمان لا چکے ہیں جس طرح خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ کسی ایجاد کے بارے میں کوئی اعتراض بھی سننے کے روادار نہیں کیوں کہ انہیں چشم تصور سے گدھے گھوڑے اور اونٹ کی پیٹھ نظر آ رہی ہے کہ یہ سوال جب تہہ تک پہنچے گا تو دین کے اس انقلابی خادم کو یقیناً اونٹ کی پیٹھ تک لے جائے گا۔ جب بھی فتویٰ جزو پر دیا جائے گا اور کل پر نہیں دیا جائے گا اسی طرح کی صورت حال پیدا ہوتی رہے گی اصول اور دین عزیز نہیں ہے مغرب سے آئی ہوئی ایجاد عزیز ہے یہ عصر حاضر کا فہم دین اور یقین ہے زندگی کا سفر مقاصد اور نظریے اصولوں کی بنیاد پر طے ہوتا ہے۔ نتائج کی بنیاد پر نہیں لیکن عہد حاضر کا انسان Pregmatism پر یقین رکھتا ہے لیکن Pregmatism کوئی اصول، فلسفہ، نظریہ حیات نہیں یہ کام چلانے کا طریقہ ہے یہ فرار کا راستہ ہے یہ حقائق سے آنکھیں نہ ملانے کی حکمت عملی ہے۔ اس کا اصول یہ ہے کہ چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی۔ کیونکہ عہد حاضر کے انسان کے لیے علم [Knowldge] کے معنی بدل گئے ہیں۔ اس کو مغربی فلسفے نے سکھا دیا ہے کہ علم وہ ہے جو تمہارے مسئلے حل کر دے اگر کوئی علم تمہارے مسئلے حل نہیں کر رہا تو وہ علم ہی نہیں ہے۔ Pregmatic ہونے کا مطلب یہ ہے کہ میں زندگی کو کسی اصول کی بنیاد پر نہیں بلکہ سہولت، آرام، اور کام چلانے کے نظریے کے تحت بسر کرنا چاہتا ہوں۔ کسی اصول اور اعلیٰ اقدار کے نظریے کو قبول نہیں کرنا چاہتا کیوں کہ ان اصولوں اور نظریوں کا ادراک میرے بوجھ میں ذمہ داریوں میں اضافہ کرے گا اور یہ بوجھ حصول لذت کے عمل میں قدم قدم پر رکاوٹیں کھڑی کرے گا۔ ان موانع کے خوف سے عہد حاضر کے ہر انسان نے Pregmatism کو اختیار کر لیا ہے یعنی کیا ہو رہا ہے اور کیا ہو سکتا ہے کیا ممکن ہے کس سے کام نکل سکتا ہے لیکن اس ذہنیت کے نتیجے میں احساس رشرمندگی [Guilt] اور گناہگار زندگی [Sinfull Life] وجود میں آتی ہے۔ گناہگار زندگی تو سرمایہ داری نے رخصت کر دی کیونکہ گناہ کے لئے خیر و شر کا کوئی پیمانہ مقرر کرنا پڑتا ہے لہٰذا مغرب نے گناہ کا تصور ہی ختم کر دیا۔ مغرب نے پرستش نفس [Self Worship] کا جو فلسفہ ایجاد کیا اور اس فلسفے کے لئے انسانوں کو فاعل خود مختار و مقتدرہ [autonomus being and authority] قرار دیا اور انسان کو آزاد [Free] انسان قرار دے کر ہر طرح کی حدود و قیود، فلسفہ جزاء و سزا نظریہ خیر و شر سے بالا کر دیا مغرب کے خیال میں خیر و شر کوئی چیز نہیں یہ

انسان کے اپنے نفس کے تقاضوں کی کسی خاص تاریخ خاص زماں خاص مکاں میں خود عائد کردہ پابندیاں ہیں وہ زماں ومکاں تبدیل ہوگا تو خیر وشر کے وہ تصورات بھی بدل جائیں گے آج شراب حلال ہے کل حرام ہوسکتی ہے آج لواطت عام طورر پر جرم ہے کل لواطت عام ہوسکتی ہے اس کا فیصلہ انسانی عقلیت [Human rationality] اکثریت [Democroy] کے فلسفے کے تحت طے کرلے گی انسانیت کثرت رائے سے جس خیر وشر پر متفق ہوگی وہی خیر وشر ہوگا جو وقت کے ساتھ بدل جائے گا لہٰذا گناہ کا تصور ہی مغربی معاشرے سے رخصت ہوگیا اب احساس شرمندگی [Guilt] باقی رہ جاتا ہے کیونکہ اس کا مذہب سرمایہ داری کے گناہوں سے براہِ راست تعلق ہے۔شرمندگی کا احساس سرمایہ داری اور سرمایہ دارانہ نظام کا تحفہ ہے کیونکہ اس نظام میں Sprit نہیں ہے روح ایک مذہبی جذبہ ہے سرمایہ دارانہ نظام اور اس کا انسان روح سے خالی ہے کیوں کہ یہاں صرف نفس Self باقی ہے لہٰذا سائیکلوجی آپ کی روح کے زخموں سے بحث نہیں کرتی وہ آپ کے نفس کے زخموں کو دیکھتی ہے وہ مادیت سے پیدا ہونے والے مسائل کے حل کے لیے پیدا ہوئی ہے اس کا روحانیت سے کیا تعلق لہٰذا سائیکلوجی ہماری روحانیت کا نہیں ہماری شیطانیت کا علاج کرتی ہے اس شیطانیت خبث باطن اور اخلاق رذیلہ کا علاج جو اس شیطانی عہد کے حملوں، ایجادات، اور اثرات سے شب وروز پیدا ہوتی ہے۔اسی لیے کہا جاتا ہے کہ سائیکولوجی سرمایہ دارانہ نظام کے قواعد قوانین [Rules of Capital] کی شیطانی عقلیت [Demin Rationality] ہے اس کا روحانیت سے کوئی تعلق نہیں۔

ڈاکٹر رفیع الدین کا دعویٰ ہے کہ رسالت مآب ؐ سے پہلے سائنس کا وجود نہ تھا گویا دنیا میں سائنس سرسید اور انگریزوں کی مشترکہ اصطلاح میں [Mohmmdans] لے کر آئے امت محمدیہ سے پہلے پوری دنیا تاریکی اور جہالت میں تھی کیونکہ قرآن نازل نہیں ہوا تھا لہٰذا قرآنی آیات پر غور تدبر کے بغیر علم طبیعیات علم حیاتیات اور علم نفسیات برآمد نہیں ہوسکتا تھا ایک لاکھ تیئس ہزار نوسو ننانوے انبیاء ان علوم کے بغیر آئے یہ دنیا چلتی رہی نعوذ باللہ ان کے دور اور خصوصاً حضرت سلیمانؑ کا دور اندھیرے اور جاہلیت کا دور تھا۔ڈاکٹر رفیع الدین کے اس جاہلانہ دعوے کے ساتھ ساتھ جدیدیت پسندوں کا ایک اور نقطۂ نظر سائنس اور رسالت محمدی کے حوالے سے یہ بھی ہے اور یہی ابھی تک مقبول ترین نظریہ ہے لیکن خرافات کا دفتر ہے۔ ’’چونکہ انسانی تمدن ہمیشہ ایک نہیں رہا شروع کے زمانے میں یہ تمدن بالکل ابتدائی حالت میں تھا پھر اس میں ارتقاء اور تغیر آتا چلا گیا یہ پختہ اور پیچیدہ ہوتا چلا گیا حضورؐ کی بعثت کے بعد انسانی تمدن میں کوئی جوہری اور بنیادی تبدیلی خالق کی طرف سے واقع نہ ہوئی تھی لہٰذا شعورِ ارتقائے انسانی کی اس منزل پر نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کردیا گیا‘‘۔ یہ ایک عام دلیل ہے جو ختم نبوت کے حق میں علامہ اقبالؒ سے لے کر وحید الدین خان اور جاوید غامدی تک دیتے آئے ہیں کہ انسانی شعور تہذیب وتمدن میں رفتہ رفتہ ارتقاء پاتے ہوئے رسالت مآب ؐ کے عہد میں اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گیا۔ علامہ اقبالؒ اور جاوید غامدی کی یہ دلیل ہیگل کے فلسفے سے مستعار ہے۔تاریخ کے جدلیاتی نظریے کے مطابق ہیگل یہ سمجھتا ہے کہ ہر اگلا دور لازماً پچھلے دور سے بہتر ہوگا تاریخ کا دھارا آگے بڑھنے سے عقل بحیثیت مجموعی ارتقاء پذیر ہوتی ہے اور بہتر سے بہتر ہوتی چلی جاتی ہے۔عقلیت اشخاص کے ذریعے world sprit کا اظہار کرتی ہے ہیگل کا فلسفہ جدیدیت پسند مسلم مفکرین کا پسندیدہ فلسفہ ہے جس سے وہ یہ دلیل لاتے ہیں کہ تمدن وتہذیب میں ارتقاء ہو رہا ہے ہر اگلا زمانہ لازماً پچھلے زمانے سے بہتر ہے لہٰذا ہر عہد کے تمدن کے تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کرنا عین دینی نبوی اور اسلامی وعقلی تقاضہ ہے اس دلیل کی بنیاد پر جدیدیت پسند، جدید کاری جدت پسندی اور تجدد کی بھر پور وکالت کرتے ہیں کہ زمانے کے ارتقاء کے مطابق خود کو بدل لو کہ یہی روح دین روح تہذیب اور روح تاریخ ہے جاوید غامدی صاحب اس معاملے میں بہت دور کی کوڑی لائے ہیں انھوں نے قرآن سے ارتقاء کے نظریے کو ثابت کرنے کے لئے حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کی مثال پیش کی اور فرمایا کہ حضرت داؤدؑ کے عہد میں جو تہذیبی وتمدنی ترقی تھی وہ حضرت سلیمانؑ کے عہد میں اپنے نقطۂ کمال کو پہنچ گئی لہٰذا ثابت ہوگیا کہ قرآن ہیگل کے تاریخی جدلیاتی عمل کے نظریے کی تائید وتوثیق کرتا ہے۔جاوید غامدی صاحب کی دونوں دلیلیں

ان کے استدلال کو تہس نہس کرنے کے لئے کافی ہیں یہ درست ہے کہ حضرت داؤدؑ کے بارے میں قرآن حکیم نے جو کچھ بتایا ان کی سلطنت ان کی قوت وشوکت کے بارے میں جو کچھ واضح کیا حضرت سلیمانؑ کی سلطنت اس کے مقابلے میں زیادہ عظیم الشان اور زیادہ عالیشان تھی لیکن غامدی صاحب حضرت سلیمانؑ کی وہ دعا بھول گئے جو قرآن میں مذکور ہے اے میرے پروردگار مجھ کو ایسی بادشاہی عطا فرمایئے کہ میرے بعد کسی کو شایان نہ ہو بے شک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے [۳۸:۳۵] اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور جو کمالات، خدام، شوکت، سطوت آپ کو عطا فرمائی اس کی تفصیلات الانبیاء:۸۲، ص:۳۷، ص:۳۸، النمل:۱۷، سباء:۱۳،۱۲، الانبیاء:۸۱ ص:۳۶ النمل:۱۶، ۱۸-۴۱-۴۲-۴۳-۴۴ میں تفصیل سے بیان ہوئی ہیں شیاطین وجنات آپ کے خادم تھے بے مثال ملک وحکومت آپ کو عطا کی گئی جنات عمارتیں بناتے تھے ان کے حکم پر شیاطین، غوطے مارتے تھے، جنات انسانوں پرندوں کے لشکر ان کے قبضے میں تھے عظیم الشان تعمیراتی کام جنات کے ذریعے وہ لیتے تھے ہوائیں ان کے حکم سے چلتی تھیں پرندوں کی بولیوں کا علم انھیں عطا کیا گیا تھا حشرات الارض کی زبان وہ سمجھتے تھے دور دراز کی خبریں ان تک پرندے لاتے تھے ملکہ بلقیس کا تخت چشم زدن میں ایک شخص لے آیا اس شخص کو وہ خاص علم حاصل تھا جس کے ذریعے زمین وآسمان کے فاصلے اس کے لئے سمٹ گئے اور چشم زدن میں تخت ایک سلطنت سے دوسری سلطنت میں آگیا قوم سباء اور بیت المقدس کے مابین آمد و رفت کا فاصلہ تقریباً پانچ ہزار کلومیٹر بنتا ہے اگر آواز کی رفتار سے یعنی بارہ سو کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے سفر طے کیا جائے تو یہ فاصلہ طے کرنے کے لئے چار گھنٹے درکار ہوں گے اس زمانے میں یہ فاصلہ کیسے طے کیا گیا؟ حضرت سلیمانؑ کے محل کا فرش شیشے کا تھا اور اس کے نیچے پانی تھا" تہذیب تمدن کا ارتقاء حضورؐ کی آمد سے کئی صدیوں پہلے حضرت سلیمانؑ کے عہد میں عروج کی اس منزل پر پہنچ گیا تھا جس کا تصور آج اکیسویں صدی کا سائنسی انسان بھی نہیں کرسکتا لیکن حضورؐ کی آمد کے وقت زمانہ آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے چلا گیا اتنا پیچھے چلا گیا کہ اس کا چشم تصور سے مشاہدہ کیا جائے تو انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں رسالت ماب سے پہلے عاد، ثمود، قوم تبع، قوم سباء، اصحاب الایکہ، اہرام مصر، یونان، چین، بابل، روم، ایران، ہندوستان کی عظیم الشان تہذیبیں اور عالیشان تمدن وجود پذیر ہو چکے تھے لیکن حضرت سلیمانؑ سے زیادہ ارتقاء کسی کو نصیب نہ ہوا المیہ یہ ہے کہ رسالت مآبؐ ان تمام ادوار اور تہذیبوں کے بعد آئے تو ان کو تمام سابقہ قوموں کی ترقیات، تمدنی فتوحات و برتری سے کچھ نہیں دیا گیا آپ کا حجرہ کچی مٹی اور کھجور کے پتوں اور تنوں سے بنا ہوا تھا اتنا مختصر کہ اس میں صرف تین قبروں کے سمانے کی گنجائش تھی خاتم النبیینؐ کی مسجد نبویؐ کھجور کے تنوں پر کھڑی تھی فرش سنگ ریزوں کا تھا جو پیروں میں چبھتے تھے پانی جمع کرنے کے لئے ان کے پاس تالاب تھے نہ حوض نہ عظیم الشان بند جو پچھلی قوموں کو دیے گئے عاد وثمود کا وہ عالیشان طرز تعمیر بھی رسالت مآب کو نہیں دیا گیا جس کے ذریعے وہ چٹانوں کو تراش کر ٹھنڈی ٹھار عمارتیں تیار کرتے تھے تمدن تہذیب تاریخ کی تمام تجلیات مکہ معظّمہ اور مدینۃ المنورہ کے اردگرد پانچ براعظموں تک پھیلی ہوئی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے رسالت مآبؐ کو ان تجلّیات، ترقّیات، ارتقاء، سائنسی ایجادات سے کچھ بھی تو نہیں دیا۔ تہذیب وتمدن کا ارتقاء حضرت سلیمانؑ پر ختم ہو گیا اور اس کے بعد جو کچھ عاد، ثمود، سباء، مصر، ہندوستان، یونان، چین کو دیا گیا رسالت مآبؐ کو اس کا عشر عشیر بھی عطا نہ ہوا۔ علامہ اقبال اور غامدی کے فلسفے کی روشنی میں یہ سوال اہم ہے کہ داؤدؑ، سلیمانؑ، ذوالقرنینؑ، طالوتؑ، سباء، قوم ثمود، فرعون مصر، بابل، ہند چین یونان ایران روم کو جو علم تہذیب وتمدن کے عہد طفلی میں دیا گیا وہ عہد بلوغت کے اختتام پر آنے والے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ السلام کو کیوں نہیں دیا گیا؟ ان کے پاس تو سابقہ تہذیبوں کے مقابلے میں علوم عقلیہ بالکل نہیں تھے لہٰذا عہد طفولیت کا مفروضہ محض ایک علمی افسانہ ہے جس کی کوئی تاریخی بنیاد نہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ قرآن کریم جس کی ایک ایک آیات سے دنیا کے تمام علوم نکالے جا رہے ہیں ان علوم کی خبر نہ رسالت مآبؐ کو تھی نہ صحابہ کرامؓ کو قرآن کی آیات کے سب سے بڑے عارف وہی ہیں اور وہی بے چارے دنیاوی شان وشوکت ترقی سائنس کی آیات سے بالکل بے خبر رہے یا باخبر تھے تو کوئی سائنسی ترقی نہ کر سکے اسی غربت مادی پسماندگی اور کسمپرسی کے عالم میں تین براعظموں پر اور اپنے عہد کی دو عالیشان طاقتوں ایران

وروم پر حکومت کرتے رہے وہ کیا راز تھا کہ قیصر وکسریٰ جیسی عظیم سلطنتیں کھجور کی چٹائیوں پر سونے والے رسالت مآبؐ کے امتیوں اور پتھر کو تکیہ بنانے والے خلیفہ کے ہاتھ تسخیر ہوئیں اور اسلام کا پرچم مشرق سے مغرب تک لہرانے لگا۔ ممکن ہے غامدی صاحب اس کے خلاف یہ دلیل دیں کہ یہ خاص تہذیب وتمدن تھا جو جنات وشیاطین کی قوت سے حضرت سلیمان کے لئے تخلیق کیا گیا تھا اس کا انسانی تمدن و تہذیب وارتقاء سے کوئی تعلق نہیں تھا لہٰذا ارتقاء کا اطلاق حضرت سلیمانؑ کے عہد پر نہیں ہوگا یہ بھی خلط مبحث ہے کیونکہ حضرت سلیمانؑ کے پاس صرف جنوں اور پرندوں کے نہیں انسانوں کے بھی لشکر تھے اور وہ شخص جو اپنے علم کے زور سے ملکہ سباء کا تخت اس کے پایہ تخت سے حضرت سلیمان کے دارالسلطنت میں لے آیا تھا وہ جنات اور پرندوں میں سے نہیں تھا لہٰذا انسانی تہذیب وتمدن علوم عقلیہ حضرت سلیمانؑ کے عہد میں اوج کمال کو پہنچ چکے تھے سوال یہ ہے کہ غامدی کے فلسفے کے تحت یہ ارتقاء سلیمانؑ پر کیوں ختم ہوگیا اور اس کا سلسلہ رسالت ماب کے زمانے تک وسیع کیوں نہ ہوسکا۔ علوم عقلیہ کی ترقی حضرت سلیمانؑ کے زمانے اور اس کے بعد ہند، یونان، مصر، بابل، عرب میں منجمد ہوکر کیوں رہ گئی اور جو کچھ ترقی ہوچکی تھی اس میں سے شمہ برابر بھی رسالت ماب ؐاور صحابہ کرامؓ کو عطا نہیں کیا گیا اس کے باوجود اس عہد کو جو دنیا کی تمام تہذیبوں تمدنوں کی شوکت سائنسی ترقی عمارات، ارتقاء، تنوع، رنگا رنگی، لہو ولعب، سے خالی تھا خیر القرون قرار دے کر قیامت تک کے لئے اس دور کو آخری شاہکار کے طور پر کیوں محفوظ و مامون کر دیا گیا؟ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ انبیاء کرام تہذیب وتمدن کے پہیے گھما کر آگے لے جانے کے بجائے ہمیشہ غالب تہذیب وتمدن کو یا تو مٹا دیتے ہیں یا اسے آثار عبرت کے طور پر باقی رہنے دیتے ہیں لیکن خود اس تہذیب تمدن ترقی سے کوئی استفادہ نہیں کرتے قوم فرعون کی عمارات باقی ہیں لیکن انبیائے بنی اسرائیل کی کوئی یادگار، کوئی بند، ہتھیار، عمارت باقی نہیں ہے لیکن اس قوم کے تمام انبیاء کا ذکر قیامت تک محفوظ کر دیا گیا ہے۔ تاریخ نہیں بتا سکتی کہ قوم بنی اسرائیل نے آخر فرعونیوں کے تہذیب وتمدن اور عمارات کے مقابلے میں اس سے بہتر کیا چیز پیش کی ظاہر ہے پیغام توحید اور فکر آخرت انبیاء کا اصل پیغام ہے جس کے عام ہونے کے بعد عظیم الشان تہذیبوں کی موت واقع ہوجاتی ہے اور زندگی کا کارواں فطرت کی سادگی اختیار کرکے کائنات کو تسخیر کرنے کے بجائے ارادہ انسانی کو رضائے الٰہی سے واصل اور فطرت سے ہم آہنگ کر لیتا ہے اہرام مصر کے ذریعے زمین کو تاراج کیا گیا آلودگی پیدا کی گئی اسراف کے ذریعے سر بفلک پتھروں کو عمارت کی شکل دی گئی، ماحولیات پر اس کے کیا کیا اثرات پڑے اس کا اندازہ اب نہیں کیا جاسکتا لیکن عہد حاضر کی سائنس جس طرح ماحولیات کو تباہ کر چکی ہے یقیناً اہرام مصر کی تیاری کے دوران جن جن علاقوں کو اشیائے تعمیرات کے حصول کے لئے چنا گیا ان کی تباہی و بربادی یقینی ہے انبیاء کرام رب العالمین کی اس خوبصورت کائنات کو خوبصورت رکھتے ہیں۔ کفار ومشرکین کی طرح اس کائنات کے ذخائر اور نعمتوں کا استحصال و اتلاف و اسراف کرکے تسخیر کائنات کے ذریعہ اپنا ارادہ کائنات پر مسلط نہیں کرتے قصص القرآن انبیاء کی اس عظیم الشان حکمت عملی کی سچی تصویریں ہیں جو اس عہد کے جدیدیت پسند مسلمان کو متوجہ کر رہی ہیں کہ تسخیر قلوب انسانی کے بجائے تسخیر کائنات کی مہم جوئی ترک کردو اور تسخیر فی الارض کے بجائے استخلاف فی القلب کو مقصد زندگی بنالو تاکہ کائنات میں آباد ہر انسان رب کی جنت کا حق دار ہوجائے اور اس عظیم کام کے نتیجے میں تمہیں استخلاف فی الارض بھی عطا ہوگا جو اللہ کا انعام ہے اور اس کے نیک بندوں کو اس وقت ملتا ہے جب وہ اپنے دین کو رب کے لئے خالص کرکے اس کی راہ میں اپنے خون کا آخری قطرہ اور توانائی کا ہر ذرہ نچھاور کر دیتے ہیں ایک مومن کا پہلا اور آخری کام یہی ہے وہ اپنے علم وعمل اور کردار کی روشنی سے اس زمین پر اللہ کی حجت بن جائے امت وسط کی حیثیت سے اس کا فریضہ ہے کہ وہ رسالت مآبؐ کا پیغام اپنے علم وعمل کے ذریعے کفار کے سامنے اس طرح پیش کرے کہ ان کے لئے انکار کی گنجائش محض ان کی ہٹ دھرمی کی بنیاد پر قائم ہو۔ قرآن حکیم نے جہاں جہاں استخلاف فی الارض کا ذکر کیا ہے وہاں تمام انبیاء کو واضح طور پر ہدایت دی ہے کہ وہ زمین میں صلوٰۃ وزکوٰۃ کا نظام قائم کریں گے کسی ایک آیت میں بھی علوم عقلیہ اور سائنس کا نظام قائم کرنے کا حکم نہیں دیا گیا حضرت موسیٰؑ کی قوم کو فرعون سے آزاد کرانے کی جو حکمت عملی موسیٰؑ کو دی گئی اس میں فراعنہ کی سائنس وٹکنالوجی کے حصول، تعلیم بالغان، تعلیم عام کرنے کے پروگرام عہد حاضر کے تقاضوں کے تحت

دین و دنیا کے امتزاج پر مبنی نظام تعلیم کے نفاذ کے بجائے صرف یہ حکم دیا گیا کہ ''ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنے لوگوں کے لئے مصر میں گھر بناؤ[مسجد] اور اپنے گھروں کو قبلہ ٹھہراؤ اور نماز قائم کرو اور مومنوں کو خوشخبری سناؤ۔[یونس:۸۷] کیا آج کی کوئی اسلامی تحریک اس اصول کو اختیار کرے گی بنی اسرائیل کی غلامی کا سبب تعلیم بالغان کی کمی اور سائنس وٹکنالوجی میں پسماندگی نہیں تھی {علوم عقلیہ کو قرآن نے علم[قصص:۸۷] اور علوم نقلیہ کو العلم[قصص:۸۰] قرار دیا ہے} بلکہ ان کی غلامی کا سبب یہ تھا کہ وہ اللہ کی غلامی سے نکل گئے تھے غلامی کی بدترین شکل یہ تھی کہ ان کی بستیاں مسجدوں کے وجود سے خالی ہوگئیں یہ ان کا اپنے رب سے تعلق تھا جو اللہ کی غلامی سے نکل جائے وہ دنیا کی ہر قوم کا غلام بن جاتا ہے جس بستی میں وہ گھر باقی نہ رہے جہاں اللہ کو یاد کیا جاتا ہے تو سائنس کی ترقی بھی اس بستی، قوم، امت کو بربادی سے نہیں روک سکتی لہٰذا ان پر اللہ کے بندوں کا غلام بننے کی ذلت مسلط کردی گئی اندلس اس بربادی کی زندہ کہانی ہے جس پر جدیدیت پسندوں کو فخر ہے۔اصل علم مالک الملک کو پہچاننا ہے اور اصل جہل مالک الملک سے ناواقفیت ہے ہر وہ علم جو معرفت وقربت رب کا ذریعہ ہے وہ العلم ہے اور جو خالق کی معرفت کی راہ میں حجاب بن جائے وہ جہل گمراہی ''علم'' اور طغیان اور عصیان ہے جدید مسلم مفکرین علوم عقلیہ اور سائنسی علوم کے حصول کو واحد ذریعہ نجات سمجھتے ہیں کہ اس سے دوسری اقوام پر برتری و افضلیت حاصل ہوجاتی ہے لیکن برتری وفضیلت کا یہ پیمانہ انبیاء کو کبھی نہیں دیا گیا انبیاء جس قوم میں بھی مبعوث کئے گئے ان کا پہلا اور مشترکہ اعتراض یہی تھا کہ آخر ان کو نبی کیوں منتخب کیا گیا یہ نہ تو امیر ہیں نہ ہم سے افضل و برتر حضرت نوحؑ سے ان کی قوم نے یہی کہا کہ تمہاری پیروی ہمارے اراذل نے اختیار کی[الشعراء:۱۱۱] اور ہم تم میں اپنے اوپر کسی طرح کی برتری نہیں دیکھتے[ھود:۲۷] وہ انبیاء کو دیوانہ کہہ کر جھڑک دیتے تھے[القمر:۹] انہیں سنگسار کرنے کی دھمکی دیتے تھے[الشعراء:۱۱۶] انبیاء کے مقابلے میں ان کفار کے پاس مال واولاد کی فراوانی تھی[نوح:۲۱] قوم عاد کو علوم عقلیہ اور سائنس پر قدرت دی گئی[الشعراء:۱۲۸،۱۲۹] اس کے مقابلے میں ان کے پیغمبر ہودؑ کو سوائے کلمہ حق اور دعوت دین کے کچھ نہیں دیا گیا ہودؑ نے انہیں اللہ کی عبادت کی طرف بلایا توحید کی دعوت دی یہ نہیں کہا کہ دین اسلام قبول کرلو گے تو تمہاری ترقی میں مزید اضافہ ہوجائے گا تو قوم نے جواب دیا کہ تم احمق اور جھوٹے ہو[الاعراف:۶۷] انہیں دیوانہ قرار دیا[ھود۵۴] حضرت ھودؑ نے اپنی قوم کا مقابلہ اس کی سائنس وٹکنالوجی سے نہیں کیا بلکہ پیغام توحید سے کیا اپنے منہاج علم میں کھڑے ہوکر اپنی مابعدالطبیعیات پیش کی ان کے میدان میں داخل نہیں ہوئے۔قوم ثمود پہاڑ تراش کر محل بناتی تھی عالیشان گھر لیکن پیغام حق سے بے پرواتھی حضرت صالحؑ نے انہیں دین کی دعوت دی لیکن ان کا مقابلہ اللہ کے ہتھیاروں سے کیا ان کی سائنس وٹکنالوجی سے یا اس سے بہتر یا اعلیٰ سائنس سے ان کا مقابلہ نہیں کیا قرآن بتاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو کتاب حکمت اور ملک عظیم دیا گیا [نساء: ۵۴] اصل علم یہی ہے اور خیر کا سرچشمہ بھی یہی ہے۔رسول اللہ کو وہ علوم عقلیہ بھی نہیں دیئے گئے جو حضرت داؤدؑ اور حضرت یوسفؑ اور ذوالقرنینؑ کو عطا کئے گئے تھے۔قصہ یوسفؑ بتاتا ہے کہ آپؑ کو اقتدار سائنس وٹکنالوجی پر مہارت کے باعث نہیں ملا بلکہ آپ کے کردار کی خوشبو پھیلی تو اقتدار اور تخت آپ کو طشتری میں میں رکھ کر پیش کردیا گیا اخلاقی فتح نے سلطنت تاج وتخت کو آپ کا اسیر کردیا وہ لوگ جو سلطنت اور تاج و تخت کے اسیر ہوکر اس کے حصول کی جدوجہد میں مصروف رہتے ہیں اقتدار انہیں کبھی نہیں ملتا اور مل بھی جائے تو ان کے لئے کسی خیر و برکت کا باعث نہیں بنتا۔حضرت لقمانؑ کی اپنے بیٹے کو نصیحت بھی سائنس وٹکنالوجی کی تعلیم، یا علم، یا علوم عقلیہ کے بارے میں خاموش ہے آپ اپنے بیٹے کو صرف یہی سکھاتے ہیں کہ بیٹے معروف کی تلقین کرنا اور منکر سے روکتے رہنا اصل علم یہی ہے جس سے عصر حاضر محروم ہے۔جدید سائنس کا قوم پرستی، استعماریت، سرمایہ داری اور اس کی مذہبی تعبیر پروٹسٹنٹ ازم سے خاص تعلق ہے اس مربع کے تعلقات کے نتیجے میں وہ انسان پیدا ہوا جو جدید انسان [Modren man] کہلاتا ہے جس کے بارے میں مغربی فلاسفہ کی رائے ہے کہ یہ انسان سترہویں صدی میں پیدا ہوا جو روشن خیالی نشاۃ ثانیہ اور آزادی ترقی اور مساوات کی صدی ہے اس لئے مغرب کے فلسفے سترہویں صدی سے پہلے کے زمانے کو قرن مظلمہ [Dark Age] قرار دیتے ہیں اور سترہویں صدی سے پہلے کے انسان کو انسان ہی تسلیم نہیں کرتے کیونکہ وہ

فاعل خودمختار انسان [Autonomous Human] نہیں تھا اس کے علم کا ماخذ اس کا نفس، اس کا اندرون، یہ دنیا، حواس خمسہ، وجدان، تجربات، تفکر نہیں تھے بلکہ علم اس دنیا کے باہر سے آتا تھا وحی ماخذ علم تھا لہٰذا وہ انسان جاہل قرار دیا گیا سترہویں صدی کے بعد ایک حاسد و حریص انسان پیدا ہوا جس نے سرمایہ داری کو فروغ دیا اور اس کے نتیجے میں سرمایہ کا حصول برائے سرمایہ [Accumalation of capital for the sake of capital] مقصد زندگی قرار پایا جس کے نتیجے میں وہ عظیم الشان سائنسی ترقی ممکن ہوئی جواب جدیدیت پسند مسلم مفکرین اور اسلامی انقلابیوں کو بہت بھلی لگتی ہے اور اس سے جدائی، ہجر، فراق، کا تصور انھیں ایک آنکھ نہیں بھاتا اور اس جدائی کے ساتھ ہی انھیں اونٹ کی ننگی پیٹھ نظر آنے لگتی ہے تسخیر کائنات کے نام پر گزشتہ تین سو برس میں دنیا کی صنعتی ترقی یافتہ قوموں نے وسائل کو کس طرح ضائع کیا ہے اسراف کی ثقافت کے ذریعے آنے والی نسلوں کو ملنے والے وسائل کس طرح لوٹے اور برباد کئے ہیں لذت مزہ چٹخارے کے نام پر ماحولیات کو تباہ کرنے کے لئے اتنا کوڑا کچرا پیدا کیا ہے کہ دنیا کی تاریخ میں موجود اکیس تہذیبوں نے بھی مل جل کر اتنا کوڑا پیدا نہیں کیا جس قدر کوڑا جدید مغربی سائنس تین صدیوں میں پیدا کر چکی ہے جس کے نتیجے میں کائنات وہ کائنات نہیں رہی جو تین سو برس پہلے تھی ہزاروں لاکھوں قسم کے پرندے، آبی حیات، پودے، جانور، اور خدائی مخلوق صنعتی فضلے زہریلے مواد کے باعث تہس نہس ہوگئی اور دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں رہا جس کا پانی اس صنعتی فضلے کی آلودگی سے تباہ نہ ہوا ہو جس تہذیب نے بحر و برکو آلودہ کر دیا اس تہذیب اور اس کی سائنس کے قصیدے پڑھنے والوں کو شرم سے ڈوب مرنا چاہیے تم نے دنیا کو رہنے کے قابل نہیں چھوڑا اور اس ترقی پر فخر کرتے ہو اور اس سے بڑا المیہ یہ ہے کہ مذہبی لوگ اس ترقی کو عین اسلام قرار دیتے ہیں اور اسلامی ریاستوں میں اس ترقی کی رفتار کو مغرب سے بھی زیادہ تیز کرنے کے خواہاں ہیں۔ کوڑا پیدا کرنے والے ممالک اب کوڑے کو تیسری دنیا کے ممالک میں تیزی سے منتقل کر رہے ہیں۔ تیسری دنیا کے ممالک ان ترقی یافتہ ملکوں کا کوڑا بخوشی خرید کر جمع کر رہے ہیں جوہری فضلہ [Atomic Waste] بھی تیسری دنیا کے ممالک میں خوشی سے پھینکا اور خریدا جا رہا ہے۔ اٹلی جیسے چھوٹے ملک میں اس قدر کوڑا پیدا ہو رہا ہے کہ اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ نیپلز [Naples] میں دو لاکھ پچاس ہزار ٹن کوڑا سڑکوں پر بکھرا ہوا ہے۔ اسے ٹھکانے لگانے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہ کوڑا Disposable Culture کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ ہر چیز پیکنگ میں دستیاب ہے، کھاؤ اور پھینک دو دنیا کی تاریخ میں انسان نے کبھی اس قدر عیاشی نہیں کی۔ اسلامی تاریخ تہذیب میں تو سڑکوں پر کھانا پینا نہایت غیر ذمہ دارانہ، غیر اخلاقی رویہ سمجھا جاتا تھا لہٰذا اسلامی عدالتوں میں ایسے لوگوں کی شہادتیں قبول نہیں کی جاتی تھیں جو بازاروں، گلیوں اور سڑکوں پر کھاتے پیتے ہوئے پائے جاتے تھے۔ کیونکہ شہادت ایک ذمہ داری ہے جو ایک ثقہ آدمی پر اعتماد کر کے لی جاسکتی ہے۔ اب جاوید غامدی جیسے جاہل عصر حاضر کی جہالت یعنی سڑکوں پر کھانے پینے کو ایک اسلامی قدر اور تمدن کی تبدیلی کا مظہر سمجھتے ہوئے اسلامی قانون شہادت کو از کار رفتہ غیر عقلی غلط ثابت کریں گے اور کہیں گے کہ دیکھو یہ طریقہ تو عصر حاضر میں نہیں چل سکتا اس لیے اس طریقے کو حالات کے لحاظ سے بدل دو یہ جاہل کبھی نہیں کہیں گے کہ عصر حاضر کے انسان کو بدل دو اس کے رویے، طریقے، اسالیب حیات کو بدل دو کہ یہ تمدن و تہذیب کا ارتقاء نہیں ہے زوال ہے لیکن غامدی صاحب کو یقین ہے کہ اس زوال کو روکا نہیں جاسکتا لیکن اسلام اور اس کے اصول و قواعد تو بہر حال متحرک ہیں۔ ہر دور میں بدلے جاسکتے ہیں۔ لہٰذا اسلام کو بدل دو جدیدیت پسندوں کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو بہترین مسلمان بنانا بے کار کام سمجھتے ہیں اور جب دیکھتے ہیں کہ بہترین شریعت اس بدترین مسلمان کے لئے مسائل پیدا کر رہی ہے تو وہ اس مسلمان کی تعمیر اصلاح تہذیب کے بجائے دین کو بدل دینا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر دین کو تبدیل نہیں کیا گیا تو دین زمانے کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ صاف لفظوں میں کہو کہ دین ہمارے جیسے بدکردار انسانوں کے ساتھ نہیں چل سکتا ہم تو بدکرداری پر قانع ہیں تم دین کو ہمارے کردار کے مطابق تبدیل کر دو تو تا کہ ہم اپنی بدکرداری اور خباثت نفس کے باوجود دین کے دائرے میں موجود رہیں۔ اٹلی کے شہر Compania میں بھی کوڑے کی صورت حال نہایت خراب ہے پورا شہر کوڑے سے اٹ گیا ہے اس کو ٹھکانے لگانے کا نظام کارآمد نہیں رہا ہے جس سے ماحولیات اور صحت وصفائی کو

سنگین خطرات لاحق ہوگئے ہیں لیکن مغرب میں کوئی سوشل سائنس داں یہ نہیں کہہ رہا کہ ڈسپوزیبل کلچر کو ختم کردو کوڑے کی بہتات ختم ہوجائے گی کیونکہ وہ اسے تہذیب وتمدن کے ارتقاء میں رکاوٹ کے مماثل سمجھتے ہیں۔ ۲۰۰۷ء میں اٹلی میں یعنی گزشتہ سال گلیوں محلوں میں کوڑے کے ڈھیر لگ گئے تھے جس کے باعث تمام اسکول بند کردیے گئے اور لوگوں نے غصے میں آکر کوڑا جلانا شروع کردیا تھا کے نتیجے میں ماحول کو خطرناک آلودگی کا سامنا کرنا پڑا۔ زمین، ہوا، پانی، فضا سب زہر آلود دھوئیں سے بھر گئے تھے۔ [ڈان ۷رمئی ۲۰۰۸] دنیا کی سترہ تہذیبوں میں کبھی کوڑے کو ٹھکانے لگانا کوئی مسئلہ نہیں رہا۔ ان تہذیبوں نے اتنا کوڑا پیدا نہیں کیا یعنی اتنی زبردست صنعتی ترقی نہیں کی لہٰذا ایسے بحران ان تہذیبوں میں نہیں آئے۔ کیا یہ سائنس یہ تہذیب یہ ترقی مقاصد شریعہ حفاظت دین، عقل، نفس، مال اور نسل کے لئے فائدہ مند ہے یا ضرر رساں جب جزئیات سے نکل کر کلیات کی روشنی میں فتویٰ دینے کا وقت آتا ہے تو جدیدیت پسند علماء کا سانس اکھڑنے لگتا ہے سائنس پڑھی جائے یا نہ پڑھی جائے مسئلہ یہ نہیں ہے کفار کے علم سے واقف ہونا ضروری ہے لیکن یہ واقفیت ہر ایک کے لئے ضروری نہیں یہ فرض نہیں فرض کفایہ ہے یہ فرض کفایہ علماء میں سے بعض علماء کو ادا کرنا چاہیے امت اس کی مکلّف نہیں اپنے زمانے کے کفر سے واقفیت ضروری ہے ارشاد رسالت ہے مومن اپنے زمانے سے واقف ہوتا ہے **علی العاقل ان یکون بصیرا بزمانہ** لیکن اس واقفیت، ادراک وفہم کو ایمان اور ایقان بنالیا جائے شریعت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں کچھ لوگ ضرور سائنس پڑھیں تاکہ کفر کی پیش رفت سے آگاہ ہوں جس طرح علماء فلسفہ پڑھتے ہیں تاکہ کفر کے اصل مذہب سے واقف رہیں لیکن سائنس کی تعلیم کو سب کے لئے جبراً لازم کردینا اس کا کیا جواز ہے؟ ہم یہ نہیں کہتے کہ سائنس نہ پڑھو ہم کہتے ہیں کہ سائنس بھی پڑھو لیکن ہر شخص صرف سائنس ہی کیوں پڑھے جس طرح اسلام کے دفاع کے لئے ہر شخص متکلم نہیں بن سکتا لیکن کچھ لوگوں کو متکلم بننا چاہیے اس طرح دفاعی حکمت عملی کے طور پر اگر کچھ لوگ سائنس کے میدان میں چلے جائیں تو کوئی ہرج نہیں یہ ایک عالمگیر حقیقت ہے کہ نفس کے احوال کو فاسد کرنے والی چیزوں میں جدید سائنس وٹکنالوجی سرفہرست ہے لہٰذا اس کی حقیقت و ماہیت کا علم علماء کے لئے ضروری ہے تاکہ وہ عوام کو اس کے مفاسد سے آگاہ کرسکیں اگر جدید علماء اس جہل سے ناواقف رہے اور جہل کے حق میں تحقیق کے بغیر یقین کی بنیاد پر فتوے دیتے رہے تو خود بھی گمراہ ہوں گے عوام کو بھی گمراہ کریں گے جیسا کہ قرضاوی اور العوالی کا معاملہ ہے۔ جدید سائنس وٹکنالوجی کے قصیدے پڑھنے والے غامدی قرضاوی نہیں جانتے کہ اس سائنس نے دنیا کو کب کب کس کس طرح تباہ کیا ہے اس کی تباہ کاری کی طویل داستانوں کا ایک ورق ہندوستان کی حالیہ تاریخ سے پڑھتے ہیں۔ ’’ہند میں ساٹھ کے عشرے میں پیدا کردہ زرعی انقلاب جس نے خوراک وسائل آمدنی میں چار سو گناہ سے زیادہ اضافہ کردیا تھا اب قحط، بھوک، خشک سالی، تباہی بربادی، خودکشی، غربت اور افلاس کے انقلاب میں تبدیل ہوگیا ہے۔ کیمیائی کھادوں اور کیڑے مار ادویات [Pesticide] اور آبپاشی کے جدید نظام کے ذریعے غیر معمولی پیداوار حاصل کی گئی کسانوں کو گندم کپاس چاول کی نقد منافع بخش فصلوں کی پیداوار پر اکسایا گیا جو اس علاقے کے لیے غیر فطری شے تھے۔ چاول کی پیداوار بہت زیادہ پانی طلب کرتی تھی۔ ریاست پنجاب نے اس اجنبی جنس کی پیداوار پر توجہ دی۔ ایک لاکھ سے زیادہ ٹیوب ویل مہیا کے گئے اور صرف چند سالوں میں یہ علاقہ ایک صحراء بن گیا۔ لیکن صحرا کی کہانیاں کسی اخبار رسالے میں سرخیوں سے شائع نہیں کی گئیں۔ پانی کی سطح بہت نیچے چلی گئی جس کے نتیجے میں دیگر اجناس کی کاشت کی لاگت بڑھنے لگی۔ پانی کے حصول کے لیے گہرے کنوؤں کی کھدائی سے اخراجات بہت بڑھ گئے اور یہ پانی بھی زہر آلود تھا کیوں کہ کیڑے مار ادویات کے مسلسل استعمال سے زہر زیرِ زمین ہوگیا تھا لہٰذا ان کنوؤں کا پانی فصل کے لیے خطرناک ثابت ہوا۔ سبز انقلاب Hybrid Seeds کے ذریعے برپا کیا گیا تھا جب پیداوار بڑھی آمدنی میں اضافہ ہوا، خوشحالی آئی تو یہ سب کو اچھی لگی معیار زندگی بڑھ گیا لوگوں نے اپنے اخراجات بڑھا لیے، گاڑیاں بہترین مکانات، عیش وعشرت کی زندگی عام ہوگئی لیکن یہ رومان زیادہ عرصہ نہیں چل سکا کیمیائی مادوں کھاد کے استعمال کے باعث بھارتی پنجاب میں کینسر عام ہوگیا زمین کی زرخیزی ختم ہوگئی ہند میں زرعی اور صنعتی خوش حالی کا ایک اور نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان میں اولاد نے ماں باپ کی خدمت سے انکار کردیا لہٰذا بھارتی لوک سبھا کو

قانون بنانا پڑا کہ جو بچے ماں باپ کی خدمت نہیں کریں گے انھیں چھ ماہ قید کی سزا دی جائے گی قانون کے ذریعے خدمت پر کسی کو مجبور کرنا ممکن ہی نہیں یہ احمقانہ طریقہ ہے قانون بنانے کا مطلب یہ ہے کہ معاشرے کی اخلاقیات ایمانیات روحانیت ختم ہوگئی ہے اور اس کے خاتمے کی ذمہ داری مغربی طرز زندگی اور پر تعیش طرزِ حیات ہے۔ آلودگی، اجنبی فصلوں کی کاشت، پانی کا بے تحاشہ استعمال، ادویات اور کیمیائی کھادوں کے استعمال نے زمین کی زرخیزی ختم کردی۔ اب صورت حال یہ ہے کہ گزشتہ اٹھارہ سال میں اس سبز انقلاب والے علاقے میں ساٹھ ہزار کسان خودکشی کر چکے ہیں، چار لاکھ زمیندار اپنی زمینیں بیچ کر ہاری بن چکے ہیں۔ خودکشی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، بھوک اور افلاس کے سائے مشرقی پنجاب پر مسلسل بڑھتے جارہے ہیں، جب پیداوار فطری طریقے سے ہوتی تھی کم ہوتی تھی جب فصلوں میں پرندوں، کیڑوں مکوڑوں کا حصہ تھا جب لوگ کم کھاتے اور چین سے سوتے تھے، جب کسانوں کے پاس گاڑیاں، ٹریکٹر، موٹر سائیکلیں، ایئرکنڈیشنڈ، فریج ٹی وی نہیں تھا، تب بھی وہ سکون کی نیند سوتے تھے۔ ۱۹۶۰ء سے پہلے مشرقی پنجاب میں کسی کسان نے خودکشی نہیں کی، جدید سائنس وٹیکنالوجی کے آتے ہی تاریخ بدل گئی، زمین آسمان بدل گئے لیکن اس نتیجے کو دیکھنے کے لیے چالیس سال کا انتظار ضروری تھا۔ انسان کی عمر اتنی نہیں ہوتی کہ وہ آخری نتیجہ دیکھ سکے۔ اس کی نظر حال پر ہوتی ہے جب سبز انقلاب سے لوگوں کو خوب پیسہ مل رہا تھا تو وہ بہت خوش تھے، فطرت سے جنگ کر کے وہ سمجھ بیٹھے تھے کہ فطرت خاموش رہے گی۔ اللہ سے جنگ کرنے والوں کا انجام سامنے ہے۔ اب مشرقی پنجاب میں ماضی کی طرف پلٹنے کی تحریکیں چل رہی ہیں تحریک چلانے والوں کا موقف یہ ہے کہ:

We do not need agricultural with greed. We do not need technology which is not ecologically economically and socially justifiable to our surroundings. [DAWN, 8 May, 2008]

سوال یہ ہے کہ ہندوستان کے سائنس دان ماہرین اقتصادیات کہاں سو رہے تھے؟ یہ سب مغرب کے غلام ہیں لہٰذا غلاموں کا انجام مزید غلامی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ عہد حاضر کے حاسد وحریص انسان نے بے شمار وسائل حاصل کئے لیکن وسیلے جمع کرنے والا انسان Man kind سے Human being ہوگیا۔ لہٰذا اس کی لذت طلبی چٹخارے زبان کے ذائقے اسے موت کے منہ میں لے گئے دنیا کی تاریخ میں کسی تہذیب میں کبھی اتنے موٹے لوگ پیدا نہیں ہوئے ہندوستان سے لے کر مشرق وسطیٰ امریکہ اور یورپ اور تمام براعظموں میں موٹاپا ایک عام بیماری ہے موٹاپے کے علاج کے لئے بے شمار دوائیں آرہی ہیں ہسپتال کھل رہے ہیں معدہ کو آپریشن کے ذریعے چھوٹا کرایا جارہا ہے جم کھولے جارہے ہیں جہاں لوگ ہزاروں روپے دے کر دوڑتے اور موٹاپا کم کرتے ہیں سلمنگ سینٹر گلی گلی کھل رہے ہیں یہ اس دنیا میں ہو رہا ہے جہاں اربوں انسان دال روٹی سے محروم ہیں تمام وسائل کا رخ امیروں کا طرف ہوگیا ہے سائنس نے امراء کو اپنے نفس پر خرچ کرنے کے سینکڑوں طریقے بتادیے ہیں لہٰذا غریب امراء کی فہرست سے خارج ہوگئے ہیں عہد حاضر کا حاسد و حریص انسان کھا کھا کر مر رہا ہے لیکن اپنی ہوس وحرص کو کم کر کے اپنے وسائل ان غریبوں کی طرف منتقل کرنے پر تیار نہیں جو بھوک سے مر رہے ہیں۔ جدید سائنس اور اس کی ایجادات نے کوریا میں قحط سے مرنے والے پچاس لاکھ انسانوں کو بچانے کے لئے کیا کیا؟ ایسی سائنسی ترقی کو ہم کیا کریں جو انسانوں سے قلب کا نور چھین لیتی ہے انہیں ظلمت کے پردوں میں ملفوف کر دیتی ہے انہیں جاہلیت خالصہ کا نمونہ بنا کر اتنا سفاک بنا دیتی ہے کہ وہ پچاس لاکھ انسانوں کے مرنے پر کوئی دکھ محسوس نہیں کرتے ۔ IUCN کے مطابق ۱۹۹۶ء سے ۲۰۰۴ء تک تقریباً ساڑھے آٹھ ہزار پودے Red Data book میں شامل ہو چکے ہیں دنیا میں سالانہ پچاس ہزار مختلف اقسام کے پودے اور جانور ناپید ہو رہے ہیں یعنی روزانہ ۱۳۷ نایاب پودے اور جانور دنیا سے ختم ہو رہے ہیں اس موت کا ذمہ دار مغرب، اس کا فلسفہ، اس کی سائنس وٹکنالوجی اور سرمایہ دارانہ نظام زندگی ہے جس کا صرف لذت اور سرمایے سے تعلق ہے خواہ دنیا تباہ ہو جائے۔ افریقہ اور شمالی کوریا میں قحط سے لاکھوں آدمی اکیسویں صدی میں ہلاک ہوئے ہیں شمالی کوریا میں ۱۹۹۵ء میں قحط آیا تو ۲۰ لاکھ

انسان ہلاک ہوئے بعض ذرائع کے مطابق یہ تعداد ساٹھ لاکھ تھی صومالیہ میں تین لاکھ آدمی قحط سے ہلاک ہوگئے یہ ہلاکتیں اس دور میں ہوئیں جب بحری جہاز طیارے ٹرالر ریلوے موجود ہے لیکن وہ انسان مرگیا جو ستر ہویں صدی تک زندہ تھا وہ دل مر چکا ہے جس سے محبت اور قربانی کے چشمے ابلتے تھے لوگ کھا کھا کر موٹے ہورہے ہیں موٹاپا موت کی افتاد لا رہا ہے۔ لیکن دنیا کے لوگوں نے موٹاپا ترک نہیں کیا وہ اسی طرح کھا رہے ہیں البتہ اس سے بچنے کے لئے دوائیں کھا رہے ہیں موٹاپے کو کم کرنے کی سب سے مقبول و مشہور دوا Rimonabant جو Zimulti کے نام سے بھی پہچانی جاتی ہے اور جس کا مشہور عالم نام Acomplia ہے سالوں تک اربوں روپے نفع کمانے کے بعد اب خطرے میں ہے کیونکہ عالمی تحقیقی جریدے "Nuron" میں MIT [Massach usetts Institute of Technology] کے سائنس دانوں کی جو تحقیق شائع ہوئی ہے اس کے مطابق یہ دوا ذہن کی نشو ونما میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے اور لوگوں میں خودکشی کے جذبات پروان چڑھاتی ہے جدید حاسد وحریص [Modren Enlightend man] خوراک کم نہیں کرسکتا وہ پیدل نہیں چل سکتا وہ خواہش نفس پر قابو نہیں پاسکتا۔ اس کا تقاضہ صرف یہ ہے کہ سائنس داں ایسی دوائیں ایجاد کریں جو اس کی لذت اور صحت دونوں کو برقرار رکھیں لیکن ایسا ممکن نہیں ہے فطرت کے ساتھ جنگ میں انسان کامیاب نہیں ہوسکتا انبیاء کرام دنیا میں اس لئے آئے ہیں کہ لوگوں کو فطرت پر قائم کریں یعنی ان کی خواہشات نفس کا دائرہ کم سے کم کردیں انبیاء ایک تہائی پیٹ خالی رکھنے کی ہدایت کرتے ہیں وہ دنیا سے تمتع کی حدود متعین کرتے ہیں عیش وعشرت کی ثقافت ختم کرتے ہیں کم کھاؤ کم سوؤ کم بولو کی تہذیب لے کر آتے ہیں۔ وہ انسان کو بدلتے ہیں اس کے دل ودماغ میں انقلاب برپا کرتے ہیں کہ فساد کا اصل مرکز یہی ذات گرامی ہے انبیاء کی اس ہدایت کو تسلیم کرلیا جائے تو موٹاپے کا مسئلہ پیدا ہی نہیں ہوتا فطری زندگی اختیار کی جائے تو موٹاپے کی ادویات کے نام پر اربوں کھربوں روپے کے کاروبار اور سائنسی تحقیقات کا غبارہ لمحوں میں پھٹ جائے گا حسد وحرص کی انتہا یہ ہے کہ سنگاپور جیسا ملک جو ایشیاء کا امیر ترین ملک ہے جس کی فی کس سالانہ آمدنی اٹھائیس ہزار سات سوتیس ڈالر سالانہ ہے اور کوئی شخص سنگاپور میں ہزار ڈالر ماہانہ سے کم نہیں کماتا لیکن یہ رقم سنگاپور کے غرباء کے لئے کافی نہیں ہے افراط زر، اعلیٰ معیار زندگی، عیاشی کے شب وروز کے لئے یہ آمدنی کیسے کافی ہوسکتی ہے لہٰذا سنگاپور کے لوگ دوپہر کے وقت بدھ عبادت گاہوں [Buddhist lodge] کے باہر لمبی قطاروں میں کھڑے ہو کر مفت کھانے کا انتظار کرتے ہیں سبزیوں پر مشتمل یہ خوراک لوگوں کو مفت مہیا کی جاتی ہے اب ان عبادت گاہوں میں صبح کا ناشتہ اور رات کا کھانا بھی مہیا کیا جارہا ہے اور کھانے والوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے یہ اضافہ تیس فیصد سے بھی زیادہ ہے ایک ہزار ڈالر ماہانہ کمانے والا انسان آخر اس قدر حاسد وحریص کیوں ہے یہ رقم اس کے لئے ناکافی اس لئے ہے کہ اس نے اپنی خواہشات کے گھوڑے کی لگام جدید سائنس وٹکنالوجی کے ہاتھ میں دے دی ہے جو سرپٹ دوڑ رہا ہے اور اس کا سفر کبھی ختم نہیں ہوگا۔ جدید سائنس وسائل اور سرمایہ میں مسلسل اضافے کے لئے ارض و سماء کو تسخیر کے نام پر مسلسل تباہ و برباد کررہی ہے جنگل پیداوار کے لئے کاٹے جارہے ہیں زرعی زمینوں سے جدید سائنس ٹکنالوجی اور ادویات کے ذریعے بے پناہ پیداوار حاصل کی جارہی ہے جس کے نتیجے میں یہ زمین اپنی زرخیزی ختم کررہی ہے بنجر پن بڑھ رہا ہے گلزار ریگزار بن رہے ہیں جہاں میلوں تک سبزہ نظر آتا تھا وہ علاقے صحراء بن گئے ہیں عالمی درجہ حرارت دنیا کی تاریخ میں کبھی اس قدر نہیں بڑھا جس قدر اب بڑھ گیا ہے جس کے نتیجے میں بحر وبر میں فساد برپا ہے Kyoto Protocol کے تحت دنیا کے تمام ماحولیاتی سائنس دانوں نے تمام صنعتی ممالک کو پابند کیا کہ وہ صنعتی ترقی کی رفتار کا پہیہ فوراً روک دیں ورنہ دنیا تباہ ہوجائے گی لیکن امریکہ اور روس نے اس حکم کو ماننے سے انکار کردیا وہ کہتے ہیں کہ بحر وبر پر ہماری برتری اس ماحولیاتی آلودگی کا حاصل ہے اسے ترک کرکے ہم اپنا تسلط دنیا پر برقرار نہیں رکھ سکتے دنیا تباہ ہوجائے انہیں اپنی بالادستی عزیز ہے اقوام متحدہ کے ماحولیاتی سائنس دانوں کا گروہ جو سینکڑوں ماہرین پر مشتمل ہے اور IPCC [Interogovermental Panel on climate change] کہلاتا ہے تمام صنعتی ملکوں کو انتباہ کررہا ہے کہ وہ صنعتی ترقی روک دیں اور ماحولیاتی آلودگی کم کریں ورنہ دنیا تباہ ہوجائے گی لیکن سرمایہ دار capitalist اور صنعتی ممالک سائنس دانوں کی بات

سننے کے لئے تیارنہیں ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں حرص وحسد کا پہیہ رک جائے گا ارتکاز سرمایہ کا عمل [Acumalation of capital] صرف [consumption] پیداوار [Production] سب کا پہیہ روکنا پڑے گا دوسرے لفظوں میں خواہش نفس کو لگام دینی ہوگی عیاشی ترک کرکے سادہ زندگی بسر کرنا پڑے گی یہ گاڑیاں، یہ فریج، یہ ائیر کنڈیشنڈ چھوڑنے ہوں گے جنھوں نے اوزون لہر کو تباہ کرکے دنیا کا درجہ حرارت بہت بڑھا دیا ہے۔ جن کے استعمال نے انسان کو لالچی، حاسد، حریص، ہوا و ہوس کا پجاری، احتکار و ارتکاز کا عادی لذتوں کا اسیر، خواہشوں کا قیدی، چٹخاروں کا غلام اور اسراف وتبذیر کا مثالی نمونہ بنا دیا ہے ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن "WHO" کے اجلاس عام میں شریک دنیا کے ۱۹۳ ممالک کے مندوبین سے خطاب کرتے ہوئے اس کی سربراہ Margaret Chane نے کہا کہ دنیا کو اس وقت تین خطرناک بحرانوں کا سامنا ہے [1] Insufficient Food, [2] Climate Change, [3] Pandemic Flu [DAWN May 20, 2008] یہ تینوں بیماریاں مغرب کی سائنس وٹکنالوجی کی پیدا کردہ ہیں دنیا کی سات ہزار سالہ معلومہ تاریخ میں کبھی اتنی غذائی اجناس نہیں پیدا ہوئیں جتنی اس وقت پیدا ہو رہی ہیں لیکن اناج اور غذائی اجناس ان کے دام دنیا کی تاریخ میں سب سے زیادہ ہیں کیوں صرف اس لئے کہ عصر حاضر کا جدید انسان [Modren man] دنیا کی تاریخ کا بدترین، وحشی، لالچی اور حریص انسان ہے۔ جبکہ تاریخ بتاتی ہے کہ دو دو سو سال تک دنیا میں غذائی اشیاء کی قیمت میں کبھی خاص فرق نہیں پڑتا تھا آخراب کیا ہو گیا ہے؟ موسم کو تباہ و برباد کرنے کا سہرا ابھی جدید سائنس کے سر ہے اور اس بدلتے ہوئے بگڑتے ہوئے موسم کی وجہ سے فلو عام ہو گیا ہے جدید سائنسی دنیا پر یہ تین قیامتیں مسلط کر چکی ہے لیکن ہمارے بعض علماء جدید سائنس کی مدحت میں مصروف ہیں انٹرنیٹ کے ذریعے امریکہ اور دیگر ممالک میں لاکھوں لوگوں کو لوٹ لیا گیا۔ لوگوں کے کوڈ معلوم کرکے ان کے کریڈٹ کارڈ سے لاکھوں روپے لوٹ لئے گئے اس جرم کے لئے اب نئی اصطلاح Phishing ایجاد کی گئی ہے ان لٹنے والوں کے نقصان کا معاوضہ کوئی ادا نہیں کرے گا جدید ترقی کی قیمت آپکو خود ادا کرنا ہوگی یہ ایک ایسا بچہ ہے جس کا کوئی باپ نہیں جدید سائنس وٹکنالوجی کا بنیادی کام پرستش نفس واسراف وسائل ہے قرآن کریم نے مسرفین کو شیطان کے بھائی قرار دیا ہے قرآن کی اس نص کی روشنی میں اسراف کی ٹکنالوجی، اسراف پر مبنی طرز زندگی، اسراف وسائل شیطان کا کام ہے اور حرام ہے لیکن جدید سائنس وٹکنالوجی نے انسان کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ اسراف کو عین دین سمجھے مثلاً گیزر چوبیس گھنٹے گیس جلاتا ہے جو اسراف ہے مثلاً شاور، نل، فلش ٹینک، فواروں کے ذریعے پانی کا بے تحاشہ استعمال اسراف کی بدترین شکل ہے رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ اگر تم دریا کے کنارے بھی بیٹھے ہو تو پانی کا اسراف نہ کرو لیکن پانی کے اسراف کی کیفیت یہ ہے کہ ہر گھر میں ہم روزانہ سینکڑوں لیٹر پانی ضائع کرتے ہیں اس زیاں کا اصل سبب جدید ٹیکنالوجی ہے۔ تاریخی طور پر یہ بات ثابت شدہ ہے کہ جب بھی انسان کی ذخیرہ اندوزی کی صلاحیت غیر معمولی حد تک ترقی کر جاتی ہے اشیاء کے زیاں کی رفتار بھی اسی حساب سے بڑھ جاتی ہے۔ ذخیرہ کرنے کی صلاحیت جس قدر کم ہو انسان اسی قدر احتیاط سے اشیاء کو خرچ کرتا ہے اور اسراف کی صلاحیت کم سے کم ہو جاتی ہے۔ مثلاً جب تک فریج اور فریزر نہیں تھے دنیا کے کسی ایک گھر میں بھی گوشت ضائع نہیں ہوتا تھا یا تو کھا لیا جاتا یا خشک کرکے محفوظ کر لیا جاتا یا مستحق لوگوں اور دوستوں محلے پڑوس میں تقسیم کر دیا جاتا جس گھر میں بھی کوئی اضافی پکوان بنتا تو فوراً اہل محلّہ میں تقسیم ہو جاتا۔ اشیاء کے زیاں کا خوف لوگوں میں خوف خدا پیدا کرکے اس کی تقسیم پر مائل کرتا ہے۔ فریج اور فریزر کی آمد نے ذخیرہ اندوزی کی صلاحیت کو ہی نہیں بڑھایا لذت، مزے اور چٹخارے کو ہر موسم اور ہر وقت ممکن بنا دیا لیکن ان تمام لذتوں اور فوائد کے ساتھ ساتھ ایمان یقین کے لئے تباہ کن رذائل اخلاق حرص وہوس اور حسد کی صلاحیتوں میں بے تحاشہ اضافہ کر دیا۔ پیٹ بھر کر کھانا کھانے کے بعد جو کچھ بچ جاتا ہے وہ فوراً محفوظ کر دیا جاتا ہے کہ پھر استعمال کر لیں گے یا مہمان آئے گا تو اسے کھلا دیں گے چیزیں جمع ہوتی رہتی ہیں اور ضائع ہو کر پھینکی جاتی ہیں۔ یہ ہر گھر کا معمول ہے اس میں استثناء برائے نام ہے۔ قربانی کا گوشت پہلے کھایا جاتا، بانٹا جاتا یا خشک کیا جاتا تھا اب صرف کھایا جاتا فریزر میں محفوظ کیا جاتا اور آخر کار سڑا کر پھینک دیا جاتا ہے یا سڑا ہوا گوشت کھا کھا کر نت نئی بیماریاں سمیٹ لی جاتی ہیں پھر اس کے علاج میں اسراف کا سلسلہ

شروع ہوتا ہے۔ پاکستان میں سب سے زیادہ فریز رعید قرباں کے موقع پر خریدے جاتے ہیں وہ دن جو قربانی، ایثار اور انفاق کی روایت کی علامت ہے اس دن کا آغاز ذخیرہ اندروزی کی ذلیل ذہنیت سے شروع ہوتا ہے۔ لوگوں کے فریزر گوشت سے اٹ جاتے ہیں، باسی گوشت استعمال ہوتا رہتا ہے اور پھر پھینک دیا جاتا ہے۔ قصائیوں کی دکانیں کئی دن بند رہتی ہیں، گوشت خشک کر کے کھانے کا رواج ختم ہو گیا کیونکہ جدید سائنس وٹیکنالوجی کی عادی عورت اور مرد چھری سے گوشت کاٹنے اور اسے خشک کرنے کی محنت کے روادار نہیں انھیں تو Instat Milk کی طرح فارمولے درکار ہیں ورنہ قدیم انسان اس گوشت کو خشک کر کے ضائع ہونے سے بچالیتا تھا۔ آج سے بیس پچیس سال پہلے ہر محلے میں ہر گھر سے کچھ نہ کچھ اشیاء تحفتاً آتی رہتی تھیں اس کی دو وجوہات تھیں ہر گھر میں باقاعدگی سے اچھا کھانا پکتا تھا اور فریج نہ ہونے کے باعث ہر گھر میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ اب تو مدتوں پڑوسیوں کے پاس سے کوئی تحفہ نہیں آتا۔ سب تحفے فریزر میں سڑنے کے لیے محفوظ کر دیے جاتے ہیں۔ یہ ذخیرہ شدہ گوشت عقل، نفس، دین، مال، نسل، سب کا زیاں ہے ذخیرہ اندروزی کی یہ بے پناہ صلاحیت رذائل اخلاق میں مسلسل اضافہ کا سبب بن رہی ہے لیکن جزئیات میں گم فقیہہ اب فریج اور فریزر کو ضروریات زندگی میں داخل کرنے کا فتویٰ تحریر کرنے میں مصروف ہے اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ فریج، فریزر، ائیر کنڈیشنڈ میں استعمال ہونے والی گیس اور گاڑیوں سے نکلنے والے کاربن نے اوزون کی لہر کو تہس نہس کر دیا جس کے باعث مغرب میں جلد کا کینسر تیزی سے عام ہو رہا ہے۔ اس کی نظر ان آلات واشیاء کے ظواہر پر ہے اسے رسول اللہ کی وہ دعا یاد نہیں ہے کہ ’’اے اللہ مجھے چیزوں کو ویسا ہی دکھا جیسا کہ وہ حقیقت میں ہیں‘‘ فقیہہ وہی ہے جو عارف بھی ہو اور اشیاء کی حقیقت سے واقف ہو ورنہ اسے فتویٰ دینے میں عجلت کے بجائے توقف کرنا چاہیے اور غور وفکر کے نئے دریچے تلاش کرنے چاہئیں۔ دنیا کی پوری تاریخ میں قدرتی وسائل، اشیاء کا اس بے دردی کے ساتھ استعمال اور زیاں کبھی نہیں ہوا جس قدر گزشتہ پچاس سال میں ہوا ہے۔ سترہویں صدی میں پیدا ہونے والے جدید انسان نے اس بے دردی اور سفا کی سے ارض و سماء میں موجود وسائل کو حرص وحسد کے لیے جدید مغربی فلسفۂ معیشت [man is the pleasure seeking animal] کے تحت اس بہیمانہ طریقے سے استعمال کیا ہے کہ ان ذرائع اور وسائل کے جلد خاتمے کا امکان پیدا ہو گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں جو آلودگی پیدا ہو رہی ہے اس نے پوری دنیا کو نہایت خطرناک جگہ میں تبدیل کر دیا ہے۔ اس بات کی بھی پیش گوئی کی جارہی ہے کہ وسائل کے زیاں کا یہ سلسلہ جاری رہا تو ہماری آنے والی نسلوں کے لیے صرف ریت اڑاتے ہوئے صحراء، خشک جنگل، بنجر علاقے، آلودہ فضائیں اور زہریلی ہوائیں باقی رہ جائیں گی۔ دنیا بھر کے ماہرین ماحولیات، IUNC گرین پیس WWF جیسی مغرب کی وفادار تنظیمیں چیخ رہی ہیں کہ اس دنیا کو بچایا جائے اس چیخ وپکار کا نتیجہ یہ نکلا کہ امریکہ نے NASA، اور دیگر اداروں میں کام کرنے والے ماہرین ماحولیات اور سائنس دانوں کو دھمکی دی ہے کہ ’’وہ اپنی تحقیقات ونتائج صحافیوں تک نہیں پہنچائیں اور اپنا منہ بند رکھیں۔ یہ درست ہے کہ ہم امریکی سب سے زیادہ آلودگی پیدا کر رہے ہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہی آلودگی ہمارے عالمی اقتدار کی ضمانت ہے۔ بڑے مقصد کے لیے چھوٹے مقاصد کی قربانی دینی پڑتی ہے‘‘۔ دنیا کی تاریخ میں پانی کا زیاں جس طرح بیسویں صدی میں ہوا ہے پوری تاریخ انسانی اس سے خالی ہے۔ اسلامی معاشروں میں بھی پانی کے زیاں پر ہمارے فقہا نے ابھی تک توجہ نہیں فرمائی۔ کنویں، دستی پمپ، کمیٹی کا نلکا، مشکی، بہشتی کے ذریعے ملنے والا پانی نہایت احتیاط سے استعمال کیا جاتا تھا اور اس کے ایک ایک قطرے کی حفاظت کی جاتی تھی لیکن جدید سائنس وٹیکنالوجی کی بدولت ہر گھر میں زیر زمین اور بالائے زمین آبی ذخائر کی تعمیر، شاور، باتھ ٹب، فلش ٹینک، پاور نل وغیرہ کی تنصیب نے پانی کے بابرکت نظام کو درہم برہم کر دیا۔ ان ایجادات کے پس پشت جدید مغربی مابعد الطبیعیاتی فلسفہ تھا کہ انسان طالب لذات جانور ہے [Man is a pleasure seeking animal] لہٰذا سائنس وٹکنالوجی وسرمایہ داری کا مقصد انسان کی لذت میں اضافہ کرنا اور مسلسل کرتے رہنا ہے سائنس وٹکنالوجی کی کوئی ایجاد دیکھ کر آپ کو خدا یاد نہیں آتا آخرت کی یاد تازہ نہیں ہوتی موت کی یاد نہیں ستاتی فکر آخرت کے لئے دل نفس ذہن ودماغ آمادہ نہیں ہوتا ہر ایجاد لذت اندوزی، عیاشی، دنیا میں کھو جانے اور آخرت کو بھول جانے

کی ترغیب دیتی ہے لذات دنیا سائنس وٹکنالوجی کے ذریعے ذہن انسانی پر اس طرح مسلط ہوگئی ہیں کہ بڑے بڑے دین دار بھی اس فریب کا شکار ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں ہرج کیا ہے؟ ان لذات کو دیکھ کر خوف طاری ہونے کے بجائے ان کی زبانوں پر یہ آیت جاری ہوجاتی ہے کہ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ [پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے] لذت اندوزی کے باعث حرص حسد اور ہوس میں اضافے نے وسائل کی بہتات کو لوگوں کے لئے ناکافی بنادیا ہے حتیٰ کہ زندگی کی بنیادی ضرورت پانی بھی لوگوں کے لیے ناکافی ہوگیا۔ یہ درست ہے کہ سردیوں میں چوبیس گھنٹے گیزر سے گرم پانی لینے کا اپنا مزہ ہے لیکن اس میں قدرتی گیس کا کتنا زیاں ہے اور ایک عیش پسند آدمی کی فطری ساخت میں جو تبدیلی آتی ہے کہ بہت سے لوگ گرمیوں میں بھی گرم پانی سے غسل کرتے ہیں اس غسل کے لطف میں کتنا پانی ضائع ہوتا ہے چوبیس گھنٹے گیزر چلنے سے ماحول میں جو گرمی کیمیائی مادے پھیلتے ہیں ان کا تو حساب بھی نہیں ہے۔ عالمی بینک کا خیال ہے کہ دنیا میں تیسری عالمی جنگ پانی کے لیے لڑی جائے گی۔ پانی کے زیاں کے باعث اب پوری دنیا میں پانی فروخت ہوتا ہے، بڑے بڑے شہروں میں ملٹی نیشنل کمپنیاں پانی کی تقسیم ترسیل فروخت کا نظام سنبھال رہی ہیں جب کہ حضورؐ نے چراگاہ کے چارے اور پانی کی فروخت کی ممانعت فرمائی ہے لیکن اسلامی معاشروں میں بھی پانی دھڑلے سے فروخت کیا جارہا ہے جب پانی کی تقسیم کے جدید طریقے اختیار کر کے عیش وعشرت کا رویہ اختیار کیا جائے تو اس کی قیمت بھی ادا کرنا ہوگی اس قیمت میں ایمان بھی شامل ہے پیسہ بھی، ماحول کی تباہی بھی وسائل کی بربادی بھی، غرباء کی چیخ وپکار بھی، پانی کے موضوع پر تحقیق کرنے والے بے شمار اداروں کے اعداد وشمار کے مطابق دنیا میں پانی کے تمام محفوظ اور موجود ذخائر میں لامحدود پانی نہیں ہے جو کبھی ختم نہ ہو۔ یعنی یہ پانی انسان کی فطری اور حقیقی ضروریات سے تو بہت زیادہ ہے لیکن انسان کی غیر فطری، جعلی، غیر حقیقی اور نفس پرستی سے نکلنے والی لامحدود خواہشات کے لئے ناکافی ہے خواہشات کہاں سے آتی ہیں؟ عصر حاضر میں خواہشات اشتہارات، تشہیری مہمات، ٹاک شوز، شوبزنس، میڈیا کے ذریعے عوام پر مسلط کی جاتی ہیں جدید سائنس وٹکنالوجی کی پیدا کردہ حرارت کے نتیجے میں یعنی صنعتی ترقی گاڑیوں، کیمیائی مادوں کے باعث گلشیر تیزی سے پگھل رہے ہیں اور قدرتی پانی کے ذخائر خطرے میں ہیں۔ دنیا کے گھنے ترین جنگل جو برازیل میں تھے کاٹ دیئے گئے ہیں انٹارٹیکا میں برف پگھل رہی ہے گلیشر تیزی سے گھُل رہے ہیں دریاؤں اور سمندروں کے اردگرد بستیوں کی تباہی یقینی ہے طوفان اور زلزلے آرہے ہیں نہایت تیزی کے ساتھ میٹھے پانی کے قدرتی آبی ذخائر ختم کئے جارہے ہیں اور متبادل کے طور پر سمندری پانی کو میٹھا بنانے کے لیے سرمایہ دار لگاتار کوششیں کررہے ہیں سرمایہ داری ہر مسئلے کا حل Production اور مزید Consumption کے مواقع میں تلاش کرلیتی ہے سرمایہ داری اور سائنس وٹکنالوجی کا گٹھ جوڑ نہایت سرعت سے دنیا کو تباہ کرنے کی چیزیں ایجاد کرتا ہے پھر اس تباہی کو روکنے کی اشیاء تیار کرتا ہے صنعتی طریقے سے تباہی آگئی تو اسے روکنے کے لئے ماحولیاتی سائنس انجینئرنگ آگئی اور پیداوار اور صَرف کا نیا سرمایہ دارانہ چکر شروع ہوگیا یہ ٹھیک ہے کہ دریا کے میٹھے پانی کا متبادل جدید ٹکنالوجی کا مہیا کردہ سمندر کا میٹھا بنایا گیا پانی ہوگا لیکن یہ سمندری پانی ہزاروں بیماریاں ساتھ لے کر آئے گا کیونکہ یہ صنعتی فضلے [Industrial Waste] سے آلودہ ہے۔ یہ عجیب سائنس وٹیکنالوجی ہے۔ جو پانی کے قدرتی ذخائر کو صاف اور میٹھے پانی کو اسراف کے ذریعے تباہ کراتی ہے اور لوگوں سے پیسے بٹورنے کے لیے سمندر کے سڑے ہوئے پانی کو میٹھا کر کے نہایت مہنگے داموں انہی جہلاء اور حمقاء کو فروخت کرتی ہے اور یہ جاہل بڑے فخر سے سمندری پانی کو میٹھا بنانے کے پلانٹ لگا کر اپنی جعلی ترقی کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔ جہالت ضلالت کی انتہا یہ ہے کہ میٹھے پانی کو ختم کرو اور نمکین پانی کو میٹھا بنا کر پیو اور اسے ترقی کہو، اسے سائنس وٹیکنالوجی کا شاہکار قرار دو بلاشبہ ہم تاریخ کے جاہل ترین گمراہ ترین عہد میں زندگی بسر کررہے ہیں جدید سائنس وٹکنالوجی سے پانی کے زیاں کے نئے نئے طریقے ایجاد ہورہے ہیں۔ Rain Shower، Jacuzzis، Pressure Pumps، Carwashing، Plants، Bath Tub، Wash Bason، Pressure tap and Showers، Flush Tank اور ہم ہر نئی ایجاد کا خیر مقدم کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ ہم آنے والی نسلوں کا حصہ کھا پی کر ختم کردیں گے تو ان کے لیے کیا بچے گا کسی کو اپنے

مستقبل کے ورثے کی کوئی پروانہیں ہے۔ جدید انسان selfish man ہے وہ [worship of self] پرستش نفس میں مبتلا ہے۔ وہ کبھی کبھی سوچتا ہے کہ آئندہ کیا ہوگا مگر لذت اور چٹخارے کی زندگی ترک کرنے کا تصور اسے آمادہ رکھتا ہے کہ وہ مستقبل کی فکر بھول جائے اور عیش وعشرت میں ختم ہوجائے، آنے والی نسل اپنے عہد کے مسائل کی خود ذمہ داری ہوگی۔ The hell is other کے مغربی سارتر فلسفے کا یہی نتیجہ ہے جو سب کے سامنے ہے۔ اسلام کی نظر میں بہترین مسلمان وہ ہے جو دنیا سے کم سے کم تمتع حاصل کرے یعنی Bad Consumer ہو، خراب صارف جب کہ مغرب کی مابعدالطبعیات میں بہترین انسان وہ ہے جو امیر ہو جو زیادہ سے زیادہ وسائل سے استفادہ کرسکے یعنی [Good Consumer] ہو مغرب خراج معاشرہ خراج ثقافت [consumer Society] چاہتا ہے۔ اسلام قرآن سنت اور صحابہ کرام کا معاشرہ خراج معاشرے [Consumerism] کی ضد ہے یہ بات مفتی تقی عثمانی صاحب اچھی طرح سمجھ لیں جب وہ فتوے اس مابعدالطبیعیاتی تناظر کی کلیت اور اسلام ومغرب کے فرق کی روشنی میں دیں گے تو کبھی اسلامی بینکاری کی عیش و عشرت کی ثقافت کے حلال ہونے کا فتوئ نہیں دیں گے جو عالمی استعماری ایجنڈے کا شاخسانہ ہے۔

پانی کی ترسیل میں استعمال ہونے والی جدید سائنس وٹیکنالوجی کے نتیجے میں جب ہم فلش ٹینک استعمال کرتے ہیں تو ایک وقت میں ۴۵ لیٹر پانی خرچ ہوجاتا ہے۔ دانت مانجھتے وقت ہم مسلسل نل کھلا رکھتے ہیں اس کے نتیجے میں ۱۳ لیٹر پانی ضائع ہوتا ہے، گرم پانی سے نہانے کے لیے ہم گرم پانی کی آمد کا انتظار کرتے ہیں تو ٹھنڈے پائپوں سے شاور تک گرم پانی آتے آتے ۳۵ لیٹر پانی خرچ ہو جاتا ہے، برتن دھوتے ہوئے مسلسل نل کھلا رہنے سے پچاس لیٹر پانی ضائع ہوتا ہے۔ پائپ کے ذریعے گاڑی دھونے میں ۱۸۰ لیٹر پانی خرچ ہوتا ہے۔ رستے ہوئے پائپوں سے ۲۴ گھنٹے میں ۹۰ لیٹر پانی کا اخراج ہوتا ہے۔ نلوں سے ٹپکنے اور رسنے والے پانی کی ۲۴ گھنٹے میں مقدار ۲۵ لیٹر ہوتی ہے بشرط یہ کہ یہ اخراج ایک قطرہ فی سیکنڈ کی رفتار سے جاری ہو اگر اخراج کی شرح ۲ قطرے یا پانچ قطرے فی سیکنڈ ہو تو زیاں بہت زیادہ ہوجائے گا۔ بیت الخلاء کے خراب زنگ دار پائپوں، نلوں، ٹینکوں سے پانی کے اخراج کی اوسط شرح ساٹھ لیٹر روزانہ ہے۔ ایک ایئر کنڈیشنڈ اگر روزانہ چھ گھنٹے چلے تو اس سے ۴۵ لیٹر پانی کا اخراج ہوتا ہے۔ کراچی میں اگر بیس لاکھ ایئر کنڈیشنڈ کام کررہے ہیں تو پانی کے اخراج کی شرح ۹۰ لاکھ لیٹر تک پہنچ جاتی ہے اس شرح سے پاکستان کے تمام شہروں اور دنیا بھر میں ضائع ہونے والی پانی کی مقدار کا اندازہ کیا جائے تو ہم جان سکتے ہیں کہ روزانہ کروڑوں لیٹر پانی عیش وعشرت کی سائنس وٹیکنالوجی کے ذریعے ضائع ہورہا ہے اور زمین میں جاکر سیم وتھور کے مسائل پیدا کررہا ہے یا سمندر میں مل کر کیمیائی فضلوں میں اضافے کا سبب بن رہا ہے۔ اس دنیا کا مستقبل کیا ہوگا۔ جب پانی ختم ہوجائے گا اور ہماری نسلیں پیاس کے صحراء میں سسک رہی ہوں گی کیا فقہاء کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے قدرتی وسائل، آبی ذخائر، فصلیں، ماحول کو محفوظ بنانے اور اللہ رب العزت کی اس خوبصورت صاف ستھری فطری کائنات کو محفوظ طریقے سے منتقل کرنے کے امکانات کا جائزہ لیں۔ ممتاز صوفی اور عالم جناب احمد جاوید صاحب کو کسی نے بتایا کہ دیوبند میں جو بیت الخلاء ہیں ان میں نل نہیں لگائے گئے ہیں تاکہ پانی ضائع نہ ہو لوگ لوٹے میں پانی بھر کر لاتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں تو اس پر حضرت والا نے نہایت ناراضگی کا اظہار فرمایا حضرت کی طبیعت اس اطلاع پر مکدر ہوگئی اور آپ نے کہا کہ یہ بہت بڑی حماقت ہے جدید سہولتوں سے فائدہ نہ اٹھانا اہل دین کے لیے مناسب نہیں اس طرزِ عمل سے عہد حاضر میں جدید نسل تک دین کی رسائی ناممکن ہو جائے گی عہد حاضر کے انسان کا ذہن سائنسی، افادی اور مادی ہے اس طرز عمل سے وہ دین سے متنفر ہوجائے گا حضرت والا نے پانی کے استعمال کے لئے رسول اللہ ﷺ کی سنت پر جدید ذہن کو ترجیح دینے کی کوشش کی ہے دین زماں ومکاں سے ماوراء ہے اور ابد تک کے ہر انسان کے لئے کامل اتباع کا مطالبہ لے کر آیا ہے اگر عہد حاضر کے سائنسی ذہن کو پانی کے استعمال میں رسول اللہ کی سنت گوارا نہیں ہے تو ایسے لوگوں کی دین کو ضرورت نہیں وہ کوئی اور دین اختیار کرلیں دنیا میں اس وقت صرف پانچ سے دس فی صد لوگ نماز پڑھتے ہیں اگر سو فی صد مسلمان نماز پڑھنے لگیں اور جدید مغربی طریقے سے پانی استعمال کریں اور دیوبند میں نل کی بندش کے طریقے پر عمل نہ کریں تو پانی کا عالمی

قحط پیدا ہو جائے گا حضرت والا کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کراچی کی ڈیفنس سوسائٹی میں رہنے والے بہت سے امراء نے اپنے گھروں کے نل بند کر دیے ہیں کہ یہ اسراف ہے بالٹیوں میں پانی لے کر استعمال کرتے ہیں ایسے امراء کی تعداد روزانہ بڑھ رہی ہے ان کی ایک تنظیم بھی ہے جس کا نام Karachi Water Partnership ہے اس کی سربراہ سیمی کمال ہے یہ پانی کے زیاں کو گناہ عظیم سمجھتی ہیں اور مستقبل کی نسلوں کے لئے پانی بچانے کے لئے دنیا کو پانی کے قحط سے روکنے کے لئے ڈیفنس سوسائٹی کی اس عورت نے اپنے گھر کے نل بند کر دیے ہیں اس گروپ کے لوگ ایر کنڈیشنڈ کا پانی ڈبوں میں محفوظ کر کے استعمال کرتے ہیں سیمی کمال water management کی سائنس داں ہے وہ ایک عام جاہل عورت نہیں ہے ان کے گروپ میں بڑے بڑے سائنس دان، ماہرین، سماجی امور کے ماہر شامل ہیں دیوبند کے غسل خانوں پر معترض احمد جاوید صاحب ان پڑھے لکھے سائنس دانوں اور دنیا داروں کے بارے میں کیا فرمائیں گے جو ڈیفنس سوسائٹی کے علاقے میں رہتے ہیں اور اس دنیا کا ہم سے زیادہ فہم رکھتے ہیں حیرت ہوتی ہے کہ دنیا دار دنیا داری سے بچ رہے ہیں صرف اس دنیا کے مستقبل اور اپنی نسلوں کے مستقبل کو بچانے کے لئے اور ہمارے دین دار لوگ دنیا ترک کرنے والوں پر طنز کر رہے ہیں ان کی تحقیر فرما رہے ہیں ان کو ذلیل کر رہے ہیں سنت رسول اللہ کا تقاضہ یہی ہے کہ دریا کے کنارے بھی پانی کا اسراف نہ کرو اور نل پانی کے اسراف کا بدترین طریقہ ہے اپنے ذہن عمل طریقوں کو سنت کے مطابق ڈھالنے کے بجائے جدیدیت کے افادی، مادی سانچوں میں ڈھالنا جدیدیت کے سوا اور کیا ہے۔ کیا فقہاء کو یاد نہیں رہا کہ حضرت عمرؓ نے عراق کی زمینوں کو مال غنیمت کے طور پر تقسیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے صحابہ کے سامنے جو دلائل دیئے تھے وہ یہ تھے۔[۱] کیا آپ چاہتے ہیں کہ بعد کے لوگ اس حالت میں آئیں کہ ان کے لیے کچھ نہ ہو [ابوعبیدؒ][۲] ان مسلمانوں کا کیا بنے گا جو بعد میں آئیں گے اور حالت یہ پائیں گے کہ زمین اپنے کسانوں سمیت بٹ چکی ہے اور باپ دادا سے لوگوں نے وراثت میں سنبھال لی ہے یہ ہرگز مناسب نہیں ہے۔ [ابویوسفؒ][۳] تمہارے بعد آنے والے مسلمانوں کے لیے کیا رہے گا اور مجھے خطرہ ہے کہ اگر میں اسے تقسیم کر دوں تو تم پانی پر آپس میں لڑو گے۔ [ابوعبیدؒ][۴] اگر بعد میں آنے والوں کا خیال نہ ہوتا تو جو علاقہ بھی میں فتح کرتا اسے تقسیم کر دیتا جس طرح رسول اللہ نے خیبر کو تقسیم کیا۔ [ابوعبید][۵] نہیں یہ تو عین المال [Real Estate] ہے میں اسے روک رکھوں گا تاکہ فاتح فوجوں اور عام مسلمانوں سب کی ضروریات اس سے پوری ہوتی رہیں۔ صحابہ کرام میں سے حضرت زبیرؓ، حضرت بلالؓ، اور اکثر صحابہ کی رائے اس کے برعکس تھی وہ سمجھتے تھے کہ زمین کو آئندہ نسلوں کے لیے روکنا مجاہدین پر ظلم ہے یہ مال غنیمت ہے اور مجاہدین میں تقسیم ہونا چاہیے لیکن صحابہ میں جو فقیہہ تھے وہ حضرت عمرؓ کی رائے سے متفق تھے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ''ان زمینوں کو ان کے کاشتکاروں کے پاس رہنے دیجیے تاکہ یہ مسلمانوں کے لیے آمدنی کا ذریعہ بنے رہے۔ [ابویوسفؒ] حضرت معاذ بن جبلؓ کی رائے تھی کہ ''اگر آپ نے تقسیم کیا تو اس کے نتائج بہت برے ہوں گے۔ اس تقسیم کی بدولت بڑی بڑی جائیدادیں ان چند لوگوں کی تحویل میں چلی جائیں گی جنھوں نے یہ علاقے فتح کیے ہیں۔ پھر یہ لوگ دنیا سے رخصت ہو جائیں گے اور ان کی جائیدادیں ان کے وارثوں کے پاس رہ جائیں گی، لیکن آنے والی نسلوں کے لیے کچھ نہ رہے گا جس سے ان کی ضروریات پوری ہوں لہٰذا آپ ایسا بندوبست کریں جس میں موجودہ اور آئندہ نسلوں کے مفاد کا یکساں تحفظ ہو۔ [فتح الباری، جلد ۶، ص ۱۳۸، ابوعبیدؒ، ص ۵۹] آخر کار حضرت عمرؓ نے سورہ حشر کی آیت ۹ سے استدلال کیا'' لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۔ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ'' [الحشر ۸ تا ۹] اور تمام صحابہ کرام نے اس نص کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ المیہ یہ ہے کہ اب حضرت عمرؓ کی طرح سوچنے والے فقہاء ناپید ہیں لیکن ان کے برعکس رائے رکھنے والوں کی بہتات ہے۔ امت کی قیادت انبوہ کثیر نہیں فقہائے امت کرتے ہیں جس امت میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ حضرت معاذ

بن جبلؓ جیسے صاحب نظر ناپید ہو جائیں، اس امت کا مستقبل صرف حالات کے رحم وکرم پر رہ جاتا ہے۔ ایسے فقہاء چند ہی ہوتے ہیں لیکن ان کی رائے دلیل علم، عمل، تفقہ، تدین، خدا خوفی، اور للہیت اس اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے کہ پوری امت ان کے سامنے سر تسلیم ختم کر دیتی ہے۔ حضرت عمرؓ اور چند فقہاء صحابہ کے مقابلے میں عراق کی زمینوں کو تقسیم کرنے کے حامیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن امت کی تقدیر کے فیصلے اور تدبیر اکثریت کی بنیاد پر نہیں علمیت کی بنیاد پر طے کیے جاتے ہیں لیکن یہ علمیت خشئیت الٰہی کے سائے میں ہوتی ہے لہٰذا اس علمیت کے سامنے کمزور علمیت سر تسلیم خم کرتی ہے اور کسی قسم کا تنازعہ باقی نہیں رہتا۔ چار پانچ صحابہ کی رائے کے سامنے پوری امت نے سر جھکا دیا صرف اس لئے کہ حضرات صحابہ کلھم عدول ہیں یہ ستاروں کی مانند ہیں اللہ ان سے راضی ہوا یہ اللہ سے راضی ہوئے یہ زمین پر اللہ کے محبوب ترین بندے تھے اور شح نفس، سے حرص وحسد وہوس سے ایسے پاک تھے کہ اس کی شہادت کے لئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ حشر نازل فرمائی اور ان صحابہ کی شان میں یہ کہا کہ ''اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں'' لہٰذا تمام صحابہ کرام عراق کی زمینوں سے آنے والی نسلوں، آنے والی امت کے حق میں خوشی سے دستبردار ہو گئے اللہ کا حکم سامنے آتے ہی وہ سجدے میں گر گئے۔

ارتداد کے فتنے کے موقع پر اس کے بعد لشکر اسامہ کی روانگی کے وقت تمام صحابہ کی مخالفت کے باوجود حضرت ابو بکرؓ نے اپنی رائے پر ثابت قدمی دکھائی اور صرف ایک صحابی کے علم عقل تفقہہ، للہیت، عزم، حوصلے، فیصلے کے سامنے پوری امت نے سر جھکا دیا حالانکہ جمہوریت کے احمقانہ فلسفے کے تحت اور Pregmatism کے فلسفے کی روشنی میں حضرت ابو بکرؓ کا فیصلہ عقلی و منطقی طور پر خودکشی نظر آتا تھا لیکن پوری امت ایک طرف اور حضرت ابو بکر دوسری طرف تھے لیکن امت نے جب حضرت ابو بکر کی وہ روحانی، ایمانی اور جلالی کیفیات دیکھی جب آپ نے جلال سے فرمایا کہ اگر مدینہ میں ازواج مطہرات کو جانور بھنبھوڑ ڈالیں تب بھی میں لشکر اسامہ کو اور ارتداد کے خلاف جنگ کو ترک نہ کروں گا اِس وقت امت مسلمہ کو ایسے ہی ایمان، یقین، ادغان اور عزم کی ضرورت ہے۔ اس وقت امت کو صرف ایسے ہی ایک فقیہہ کی ضرورت ہے جو حضرت ابو بکرؓ کی طرح عہد جدید کے ویرانے میں دین کی شمع کو تعمل امت کی روشنی میں فروزاں رکھے اور مصلحت و مصالحت کی جدید روایت کو ترک کر دے۔ جدید سائنس وٹیکنالوجی اور سودی معیشت کے نام پر اسلامی بینکاری کے فروغ کے موقع پر علماء کی اکثریت اس کے خلاف ہے لیکن خاموش ہے کہ شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی کی شہرت سے کوئی ٹکرانے کی جرات نہیں کر رہا۔ علماء کرام اور فقہائے عظام کو مغرب سے آنے والے شر وفساد کا گہرا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ اگر وہ جائزہ لینے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو بہتر ہے کہ وہ قدماء کی طرح سکوت اختیار کر لیں لیکن مغرب کی حقیقت کو سمجھے بغیر اس کے جواز کے فتوے دینے سے احتراز کریں۔ اس کام کے لیے بازار میں پہلے ہی جنس کا سد موجود ہے۔ غامدی سے لے کر قرضاوی، العوالی، رمضان، وحید الدین خان، ڈاکٹر خالد مسعود فتوے کی دکان کھول کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان دکانوں میں ایک نئی دکان کے اضافہ کا کیا فائدہ۔ جدید سائنس اس کے مظاہر وآثار، جدید مغربی فلسفہ معیشت وتہذیب اور اس کی ایجادات کے بارے میں علماء توقف فرمائیں، عجلت میں فتوے نہ دیں یا اس بصیرت کا مظاہرہ کریں جو حضرت عمرؓ نے عراق کی زمینوں کی تقسیم کے مسئلے میں آج سے پندرہ سو برس پہلے امت کی ہدایت کے لیے پیش کر کے ابد تک چراغ تفقہہ فی الدین روشن کر دیا ہے۔ اگر آج سے پندرہ سو سال پہلے امت کے اکابرین مستقبل کے حوالے سے اتنی دور تک دیکھ سکتے تھے اور سوچ سکتے تھے تو کیا وجہ ہے کہ ہمارے علماء کرام میڈیا، ای سائنس، کمپیوٹر اور معلومات کے انبار کی موجودگی میں اس بصیرت کا مظاہرہ نہ کر سکیں جو عہد عمرؓ میں اجماع سے امت کو برابر منتقل ہو رہی ہے۔ مغرب کے فلسفے اور سائنس کو سمجھنا نہایت ضروری ہے اس کے بغیر علماء کے فتاویٰ اگر جزئیات پر آتے رہے تو یہ نہ صرف علماء کی وقعت کم کریں گے بلکہ دین کی بنیادوں کو منہدم کر کے رکھ دیں گے دین ہوا کے رخ پر چلنے اور سائنس کے ساتھ ساتھ سفر کرنے کے لیے نہیں آیا ہے۔ یہ ہوا کا رخ بدلنے کے لیے آیا ہے اگر دین ہوا کا زمانہ کا رخ نہیں بدل سکتا تو اس میں دین کا قصور نہیں اس تصور دین کا قصور ہے جو جدید سائنس سے مرعوب ہو کر اپنی تاریخ تہذیب اور علوم نقلیہ پر اعتماد کھو کر مغرب کے علوم عقلیہ کو عین حق، عبادت، دین اور آخری پیغام سمجھ رہا ہے یہ انحطاط کی انتہا ہے۔ عالم اسلام میں مغرب سے واقفیت کے بغیر اس کی

وکالت کو دین کے پردے میں کرنے والے چند ہی لوگ ہیں جیسے یوسف قرضاوی، جاوید غامدی، وحید الدین، مصر کے بعض سابق اخوانی رفقاء جیسے محمد الغزالی مرحوم وغیرہ اور ان کا مکتب فکر [اس کی تفصیل ساحل اکتوبر ۲۰۰۵ء میں ملاحظہ کیجیے] ان تمام جدیدیت پسندوں کا مشترکہ متفقہ ہدف یہ ہے کہ مسلمانوں کو اور اسلامی تاریخ کو خود ان کی نظر میں گرا دیا جائے اپنی تاریخ تہذیب پر فخر کے بجائے مغرب کی تاریخ و تہذیب پر فخر کیا جائے کہ وہ اسلامی تاریخ کا ہی اصل تسلسل ہے۔ صنعت و ٹکنالوجی کی ترقی نے ماحول میں صوتی آلودگی [Noise Pollution] پھیلا دی ہے جس کی وجہ سے اب کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی حالانکہ تمام تاریخی کتابوں میں درج ہے کہ خطباء جب لاکھ لاکھ کے مجمع سے خطاب کرتے تھے تو ان کی آوازیں ہر شخص تک پہنچتی تھی حضورؐ نے خطبہ حجۃ الوداع دیا تو تمام لوگوں نے خطبہ سنا آج کل اگر بجلی چلی جائے تو کمرے میں سکون ہو جاتا ہے معلو ہوتا ہے کہ پنکھے کا شور کتنی بڑی لعنت ہے اس شور کے خاتمے پر باہر سے تمام آوازیں، پرندوں کی بولیاں، پھیری والے کی للکار مختلف قدرتی آوازیں صاف سنائی دیتی ہیں جنھیں پنکھے کے طوفانی شور نے ختم کر دیا ہے جب اس قدر صوتی آلودگی پھیلے گی تو آواز کے آلے ایجاد ہوں گے پہلے ایک شر ایجاد کرو پھر اس کا علاج دریافت کرو اور اسے ترقی قرار دو یہ ترقی دراصل نفس کی پرستش کی ترقی ہے اور تمام جدید بیماریاں موٹاپا، امراض قلب، بلند فشار خون، گھبراہٹ، دل کا بیٹھنا، سب جدید طرز زندگی کا نتیجہ ہے لیکن انسان بیماری کا علاج کر رہا ہے لیکن اصل بیماری جدید طرزِ زندگی ترک کرنے کے لیے تیار نہیں کہ یہ طرز اس پر مسلط کر دیا گیا ہے [تفصیلات کے لئے جولائی ۲۰۰۶ء کا ساحل ملاحظہ کیجیے]۔ مغرب کا جدید وحشی انسان اپنے نفس کی پرستش اور غلامی ترک نہیں کر سکتا عقل اور نفس کو ماخذ بنانے کے بعد اور وحی الٰہی اور سنت محبوب الٰہی کو ماخذ علم تسلیم نہ کرنے سے یہی مسائل پیدا ہوتے ہیں ساٹھ کے عشرے میں ہندوستان کے صوبے مشرقی پنجاب میں سبز انقلاب [Green revolution] جدید سائنس و ٹکنالوجی کے آلات اور ادویات کے زور پر برپا کیا گیا اس انقلاب کی پاکستان میں تشہیر و اشاعت کی ذمہ داری مسکین گلی کے مسکین ماہر اقتصادیات ڈاکٹر اکبر زیدی نے لے لی تھی اور اسی کے عشرے میں پاکستانی اخبارات میں وہ پاکستانی حکومتوں کو لعنت ملامت کرتے رہتے تھے کہ پاکستانی پنجاب اور ہندوستانی پنجاب میں فی ایکڑ پیداوار میں کتنا فرق ہے پاکستان ہندوستان کی پیروی کر کے زرعی انقلاب برپا کرے اور معیار زندگی بلند کرے سائنس و ٹکنالوجی کے قصیدے پڑھنے والے جاہل سوشل سائنس داں مغربی فکر و فلسفے کی مبادیات سے ناواقف ہوتے ہیں وہ جدید سائنس پر مغرب میں ہونے والے فلسفیانہ نقد سے بھی بے خبر ہیں لہٰذا ان کے جاہلانہ مضامین پاکستان کے ترقی پسند اور اسلام پسند حلقوں میں یکساں دلچسپی اور توجہ سے پڑھے جاتے تھے اور حوالے کے لئے بار بار پیش کئے جاتے تھے لیکن اکبر زیدی آج کل اس انقلاب کے منفی اثرات پر کچھ نہیں لکھ رہے Reverse Revolution کے بارے میں ان کا قلم خاموش ہے کیونکہ یہ نقد جدید سائنس و ٹکنالوجی کا نقد ہے جدید سائنس و ٹکنالوجی اس عہد کا۔ لبرل مکتب کا۔ اور ڈاکٹر اکبر زیدی کا خدا ہے۔ خدا ہر مذہب اور فلسفے میں تنقید سے ماورا ہوتا ہے۔ عصر حاضر کا خدا جدید سائنس و ٹیکنالوجی ہے لہٰذا ہمارے ماہرین معاشیات سیاست داں اور فلسفی اور ڈاکٹر اکبر زیدی بھی اس جدید خدا پر نقد نہیں کرتے۔ یہ ایمانیات کا مسئلہ ہے دین میں ارتداد کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

جو شخص بھی سائنس پر تنقید سننے کا روادار نہیں کسی شک و شبہ کے بغیر دنیا کا جاہل ترین شخص ہے اور اس کا خدا سائنس ہے کیونکہ یہ مرتبہ صرف خدا کو حاصل ہے کہ اس پر کوئی اعتراض بھی نہ سنا جائے یہ ایمان و یقین کا معاملہ ہے کاش سائنس پر ایسا یقین خدا پر ہمارے یقین میں بدل جائے تو امت مسلمہ کے بے شمار مسئلے لمحوں میں حل ہو جائیں گے۔